# تقویٰ

آیت اللہ شہید استاد مرتضیٰ مطہریؒ

شہید مطہری فاونڈیشن (پاکستان)

www.shaheedmutahhari.com

# تقویٰ

آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجم:

ایم اے انصاری

**ناشر**

شہید مطہری فاونڈیشن لاہور پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

| | |
|---|---|
| نام کتاب | تقویٰ |
| مصنف | آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری رحمۃ اللہ علیہ |
| مترجم | ایم اے انصاری |
| کمپوزنگ | انس کمیونیکیشن لاہور 0300-4271066 |
| ناشر | شہید مطہری فاونڈیشن |
| زیرِ اہتمام | ابوظہیر |

ملنے کا پتہ:

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

0321-4971214

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد

0333-5234311

# فہرست


عرض ناشر ..... 4
پیش گفتار ..... 5
تقویٰ کے لغوی معنی ..... 7
خوف خدا ..... 10
تقویٰ کی حقیقت اور اس کے معنی ..... 11
عملی مجبوری پیدا کرنا ..... 15
نہج البلاغہ میں تقویٰ کا بیان ..... 16
تقویٰ اور آزادی ..... 18
پابندی یا مدافعت ..... 19
تقویٰ کی نگہبانی ..... 21
تقویٰ کی قدر و قیمت اور اس کا اثر ..... 23
تقویٰ اور صحت ..... 27
آثار تقویٰ ..... 29
تقویٰ کے دو خاص اثر ..... 29
تقویٰ اور روشن ضمیری ..... 30
تقویٰ اور عملی سوجھ بوجھ ..... 35
دشمنان عقل کے دشمن ..... 37
روشن ضمیری میں تقویٰ کے اثر کا راز ..... 38
کیا ہوش اور عقل میں کچھ فرق ہے؟ ..... 43
تقویٰ اور پاکیزگی ..... 45
تقویٰ اور مشکلات پر قابو پانے کی طاقت ..... 46
مشکلات کی دو قسمیں ..... 46

# عَرضِ ناشر

فاونڈیشن اس وقت کم وبیش ۱۰۰ سے زائد مسودات پر کام کر رہی ہے اور قریب ۴۰ کتب اس وقت زیور طباعت سے آراستہ بازار میں دستیاب ہیں۔

گو کہ طباعت سے قبل مسودات کو انتہائی باریک بینی سے دیکھا اور پڑھا جاتا ہے مگر انسانی ہاتھوں سے انجام پانے والا کام کبھی مکمل اور غلطیوں سے پاک نہیں ہوسکتا اس میں غلطی کی گنجائش بہرحال رہتی ہے۔آپ حضرات سے التماس ہے کہ اگر آپ کتاب میں کوئی غلطی دیکھیں تو اس کی اطلاع ہمیں کر دیں تا کہ آئندہ اس کو درست کرلیا جائے،

شہید مطہری فاونڈیشن کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی تمام کتب ہماری ویب سائٹ www.shaheedmutahhari.com پر بھی مطالعہ کے لئے پیش کر دی گئی ہیں۔

اس کتاب کی اشاعت کے لئے مسودہ ایرانی ثقافتی مرکز (خانہ فرھنگ لاہور) نے فراہم کیا ہے جس کے لئے ادارہ ان کا ممنون ومشکور ہے کہ انہوں نے اس کارِ خیر میں مقدور بھر حصہ ڈالا ہے۔اللہ رب العزت ان کا توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے اور ان کو جزائے خیر عطا کرے۔اوران سب افراد کے لئے بھی بارگاہ احدیت میں دعا گو ہیں جو کسی بھی طرح سے ادارہ کے ساتھ منسلک ہیں اور اپنا کام انجام دے رہے ہیں۔

ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پیش گفتار

کاغذ کے پھلوں کا کتنا ہی بڑا باغ کیوں نہ سجایا جائے اس سے وہ خوشبو حاصل نہیں ہوگی جو تر و تازہ پھولوں کے چمن سے حاصل ہوتی ہے۔ایک زندہ اور تازہ پھول سے ماحول کی آلودگی برطرف، فضا معطر اور انسان کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے کاغذ کے پھولوں میں ایسی کوئی خاصیت نہیں ہے۔آج کل مذہب اور اسلام کے نام پر ہونے والی بہت سی کوششیں کاغذ کے پھول کے مانند ہیں۔کتابیں کتنی کثرت سے چھپ رہی ہیں مجالس و تقاریر کی بھرمار ہے جدید ذرائع ابلاغ انٹرنیٹ، ڈیش، ٹی وی ریڈیو پر بے پناہ اسلامی مواد ہے اسلامی تنظیموں اور اداروں میں سیمینار، کانفرنسیں منعقد کرنے کی ایک دوڑ ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسلامی دنیا میں خاطر خواہ تبدیلی دیکھنے میں نہیں آرہی ہے۔کیوں؟ وجہ یہ ہی ہے کہ ان سارے ذرائع کے ذریعہ ایک بے جان وخشک اسلام کی تبلیغ ہو رہی ہے جس میں کہیں روح اسلام اور کہیں اسلام کے جامع فہم کا فقدان ہے کہیں پر اجتہادی شعور و وسعت فکر کی کمی ہے کہیں پر اسلام کے کسی ایک خاص پہلو پر سارا زور لگایا جاتا ہے۔ان کتابوں، تقریروں مجلسوں اور مدرسوں کے سائے میں.....

یا وہ ناپختہ اور شدت پسند نوجوان تربیت پاتے ہیں جو عقل وشعور سے بے بہرہ ہیں اور ان کا انتہائی کمال یہ ہے کہ وہ مسلح ہو کر اپنے ہی کلمہ گو مسلمان بھائیوں کی عبادت

گاہوں (مساجد،عتبات عالیات، مدارس یہاں تک کہ اجتماعات اور شخصیات) پر حملہ آور ہوتے ہیں اور جس کام کو کرنے سے پہلے اسلام دشمن قوتیں ہزاروں احتمالات پر غور وفکر کرتے ہیں عقل کے یہ اندھے انسان کسی کتاب کی چند سطریں پڑھ کر یا کسی سائیٹ کا کوئی ایک صفحہ کھول کر ہی انجام دینے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔

یا وہ بے غیرت انسان پلتے ہیں جو ایک طرف مغرب کی کھلم کھلا دشمنی کو دیکھنے کے باوجود ان کے خلاف زبان تک نہیں کھولتے ہیں اور دوسری طرف اسلام دشمن طاقتوں سے برسر پیکار مجتہدین، علماء اور مجاہدین کی کردار کشی سے دریغ نہیں کرتے ہیں۔ یہ لوگ منبروں پر حسنیت اور یزیدیت کے موضوع پر بولتے بولتے اپنا گلا خشک کرتے ہیں مگر انہیں نہ دور حاضر کا حسین دکھائی دے رہا ہے اور نہ یزید کو پہچان پا رہے ہیں جب کہ عصر حاضر کے کربلا میں آج بھی کوئی حسینؑ یزیدیوں سے نبرد آزما ہے۔

عالم اسلام کے ان پر آشوب ایام میں اسلامی سماج کی سب سے اہم خدمت یہ ہے کہ روح اسلام سے سرشار اور جامع فہم لٹریچر کو عام کیا جائے جس میں اجتہادی فکر کو بنیادی اہمیت حاصل ہو۔ اور نوجوان طلاب، دانشمند حضرات کو اس سے آشنا کیا جائے۔ عالم اسلام کے گوشہ و کنار میں آج بھی ایسی تحریریں اور کتابیں موجود ہیں جن میں جامعیت، وقت کے تقاضوں کا احاطہ، اسلام کی روح ومعنویت اور وسعت فکر پائی جاتی ہے۔ ایران کے امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ وشہید مرتضیٰ مطہری رحمۃ اللہ علیہ، عراق کے شہید باقر صدر رحمۃ اللہ علیہ، مصر کے شہید قطب و شہید حسن البنا رحمۃ اللہ علیہ، برصغیر کے ابو الاعلی مودودی کے آثار وکتب میں یہی خصوصیات دکھائی دیتی ہیں۔ ان بزرگ ہستیوں کی تحریریں ان کے خون کی طرح آج بھی اسلام کے چمنستان (گلستان) کو آبیاری کر رہی ہیں اور جوانوں اور طالب علموں کی ایک بڑی تعداد کی پیاس بجھا رہی ہیں۔

# تقویٰ کے لغوی معنی

تقویٰ کا لفظ ایک کثیر الاستعمال اور مقبول عام دینی اصطلاح ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ اسم اور فعل دونوں صورتوں میں دسیوں جگہ آیا ہے۔ یہ لفظ تقریباً اتنی ہی بار استعمال ہوا ہے جتنی بار مثلاً ایمان یا عمل کا لفظ، یا جتنی بار صلاۃ اور زکوٰۃ کا لفظ۔ قرآن کریم میں روزہ کی نسبت تقویٰ کا تذکرہ بہت زیادہ ہوا ہے۔ نہج البلاغہ میں جن الفاظ کا استعمال بار بار ہوا ہے ان میں سے ایک تقویٰ بھی ہے۔ نہج البلاغہ میں ایک خطبہ ہے جس کا نام **خطبہ متقین** ہے یہ خطبہ امیر المومنین علیہ السلام نے ایک ایسے شخص کی خواہش پر ارشاد فرمایا تھا جس نے درخواست کی تھی کہ متقی کے اوصاف ایسی وضاحت سے بیان کیے جائیں کہ اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجائے۔ ابتدا میں تو امام نے اس کی درخواست مسترد کر دی اور پھر صرف تین چار جملوں پر اکتفا فرمایا لیکن (جب وہ شخص جس کا نام ہمام بن شریح تھا اور جو بہت ہوشیار اور تیز آدمی تھا۔) کسی طرح مطمئن نہ ہوا اور اصرار ہی کرتا رہا اور منت سماجت شروع کر دی تو امیر المومنین علیہ السلام نے بھی مفصل گفتگو کا آغاز کر دیا۔ آپ نے متقی کی سو سے زیادہ صفات بیان کیں اور اس کی سو سے زائد خصوصیات کا نقشہ کھینچا اور اس کے فکری، اخلاقی اور عملی اوصاف پر بیان ختم ہوا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جیسے ہی امام علی علیہ السلام کی گفتگو ختم ہوئی، ہمام نے ایک چیخ ماری اور وہیں جاں بحق ہو گیا۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کا لفظ عام طور پر رائج دینی اصطلاح ہے اور عام لوگوں کی زبان پر بھی یہ لفظ بار بار آتا ہے۔

اس لفظ کا مادہ ''وقی'' ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کی حفاظت، اس کا بچاؤ اور دیکھ بھال۔ اتقا کے معنی ہیں محفوظ رکھنا، لیکن یہ آج تک دیکھنے میں نہیں آیا کہ ہماری زبان میں تقویٰ کا ترجمہ حفاظت، بچاؤ یا دیکھ بھال کیا گیا ہو۔ جب یہ لفظ اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو تقویٰ کا ترجمہ پرہیز گاری اور متقی کا ترجمہ پرہیز گار کیا جاتا ہے۔ مثلاً ھدی **للمتقین** کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ یہ ہدایت ہے پرہیز گاروں کے لئے۔ اگر یہی لفظ بطور فعل استعمال ہوتا ہے تو اگر امر کا صیغہ ہو اور اس کا مفعول بھی مذکور ہو تو اس کا ترجمہ خوف اور ڈر کیا جاتا ہے۔ مثلاً **اتقوا اللہ** کا ترجمہ ہوگا ڈرو اللہ سے اور **اتقوا النار** کا ترجمہ ہوگا ڈرو آتش جہنم سے۔

البتہ آج تک کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تقویٰ کا ترجمہ ڈر اور خوف یا کسی چیز سے پرہیز اور اجتناب ہے لیکن چونکہ کسی چیز سے خوف کا لازمی نتیجہ ہے اس چیز کا ترک اور اس سے اپنا بچاؤ، اس لئے خوف اور بچاؤ لازم وملزوم ہیں۔ ان باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مادہ مجازاً بعض موقعوں پر اجتناب کے معنی میں اور بعض موقعوں پر خوف اور ڈر کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ لفظ مجازاً اجتناب یا خوف کے معنی میں استعمال کیا جائے لیکن اس لفظ کو مجازی معنی ہی میں استعمال کیا جائے اس کی کوئی وجہ اور دلیل نہیں ہے۔ یعنی مثلاً ڈر، یا اجتناب۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ **اتقوا اللہ** کے یہی معنی ہیں کہ اللہ سے ڈرو یا **اتقوا النار** کے یہی معنی ہیں کہ آتش دوزخ سے ڈرو بلکہ اس قسم کے جملوں کے دراصل یہ معنی ہیں کہ اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے محفوظ رکھیں، یا خود کو آتش دوزخ سے بچائیں۔ لہٰذا تقویٰ کا صحیح ترجمہ ہوا اپنی حفاظت یا اپنا بچاؤ۔

ضبط نفس کا بھی یہی مطلب ہے۔ اس طرح متقین کے معنی ہوئے اپنی حفاظت

کرنے والے۔

راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات القرآن میں کہتے ہیں۔

**وقایہ** کے معنی ہیں کسی چیز کو نقصان دینے والی باتوں سے محفوظ رکھنا، اور تقویٰ کا مطلب ہے ان باتوں سے بچنا جن کا خوف ہو۔ یہ تو ہوئی اس کی لفظی تحقیق۔ بعد میں کبھی کبھی خوف کو تقویٰ اور تقویٰ کو خوف کہا جانے لگا جیسا کہ سبب کو مسبب کے معنی میں یا مسبب کو سبب کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا شریعت کی اصطلاح میں تقویٰ کے معنی ہو گئے نفس کو گناہ سے محفوظ رکھنا اور منہیات سے اجتناب کرنا۔ [1]

راغب یہ تو تصریح کرتے ہیں کہ تقویٰ کے معنی ہیں خود کو محفوظ رکھنا لیکن وہ صراحتاً یہ نہیں کہتے کہ خوف تقویٰ کے مجازی معنی ہیں وہ یہ بھی نہیں کہتے کہ **اتقوا اللہ** کے مجازی معنی مقصود ہیں۔ جیسا کہ ہم نے ابھی کہا ہے، اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ اس طرح کے جملوں میں تقویٰ کا لفظ مجازی معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے۔

یہ بات نسبتاً عجیب معلوم ہوتی ہے کہ فارسی اور اردو میں اس لفظ کا ترجمہ پرہیز گاری کیا گیا ہے۔ اب تک یہ کہیں دیکھنے میں نہیں آیا کہ کسی جگہ اہل لغت نے یہ کہا ہو کہ یہ لفظ اس معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ابھی ہم نے دیکھا کہ راغب نے یہ تذکرہ تو کیا ہے کہ یہ لفظ خوف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن پرہیز گاری کا تو انہوں نے نام بھی نہیں لیا۔ معلوم نہیں کب سے اور کیوں اس کا ترجمہ پرہیز گاری رواج پا گیا۔ کوئی اہل زبان دور قدیم یا دور جدید میں اس لفظ کا یہ مفہوم بیان نہیں کرتا۔ اس میں تو شک نہیں کہ تقویٰ اور کسی چیز سے حفاظت نفس کا لازمی نتیجہ اس چیز کا ترک اور اس سے اجتناب ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ تقویٰ کے معنی ہی ترک کر دینے، پرہیز اور اجتناب کے ہو گئے۔

---

[1] الوقایۃ حفظ الشیء والتقوی جعل النفس فی وقایۃ مما یخاف، ھذا تحقیقہ ثم یسمیٰ الخوف تارۃ تقویٰ والتقوی خوفا۔ حسب تسمیۃ مقضی الشیء بمقتضیہ بمقتضاہ وصار التقوی فی عرف الشرع حفظ النفس مما یوثم وذلک بترک المحظور

## خوف خدا

چونکہ ضمناً خوف خدا کا تذکرہ آ گیا ہے یہ نکتہ بھی بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ خوف خدا کا کیا مطلب ہے؟ کیا خدا کوئی خوفناک چیز ہے؟ خدا تو کامل و اکمل اور اس قابل ہے کہ انسان اس سے محبت کرے اور اسے دوست رکھے۔ پھر خدا سے ڈرنے کے کیا معنی ہیں؟

اس سوال کے جواب میں ہم یہی کہیں گے کہ واقعی ذات خداوندی خوف اور دہشت کا سبب نہیں۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرنا چاہئے اس کا مطلب یہ ہے کہ عدل الٰہی کے قانون سے ڈرنا چاہئے۔ دعا میں آیا ہے۔

یامن لایرجی الا فضله ولا یخاف الا عدله

اے وہ ذات کہ جس کے فضل و کرم ہی سے امیدیں وابستہ ہیں اور خوف صرف اس کے عدل کا ہے۔

اسی طرح یہ دعا میں یہ بھی آیا ہے:

جللت ان یخاف منك الا العدل وان یرجیٰ منك الا الاحسان والفضل

تو اس سے بالاتر ہے کہ تجھ سے سوائے تیرے عدل کے کسی اور وجہ سے ڈرا جائے اور تجھ سے سوائے تیرے لطف و کرم کے کوئی اور امید رکھی جائے۔

عدل و انصاف بھی بذات خود کوئی ڈرنے اور خوف کھانے کی چیز نہیں۔ انسان اگر عدل سے ڈرتا ہے تو وہ درحقیقت اپنی ذات یا اپنے اعمال سے ڈرتا ہے کہ مبادا اس نے ماضی میں کوئی غلطی کی ہو یا آئندہ اپنی حدود سے تجاوز کرے اور دوسروں کے حقوق پامال کرے۔ لہٰذا خوف و رجا کے یہ معنی ہیں کہ مومن ہمیشہ پرامید بھی رہے اور خائف بھی، بھلائی کی توقع بھی رکھے اور فکرمند بھی رہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس امارہ کی سرکشی

سے خوف زدہ رہے کہ کہیں عقل و ایمان کی باگ ڈور ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے اور ساتھ ہی ذات خداوندی پر بھروسہ بھی رکھے اور یہ آس لگائے رہے کہ اللہ کی مدد ہمیشہ اس کے شامل حال رہے گی۔ حضرت علی بن الحسین علیہ السلام مشہور دعائے ''ابوحمزہ ثمالی'' میں فرماتے ہیں۔

مولای اذا رایت ذنوبی فزعت واذا رایت کرم طمعت

میرے آقا! جب میں اپنی خطائیں دیکھتا ہوں تو مجھ پر خوف و ہراس چھا جاتا ہے لیکن جب تیرے کرم پر نظر پڑتی ہے تو امید بندھ جاتی ہے۔

یہ وہ نکتہ ہے جسے ہم نے ضروری سمجھا کہ ضمناً بیان کر دیا جائے۔

## تقویٰ کی حقیقت اور اس کے معنی

تقویٰ کے جو لغوی معانی بیان کئے گئے ہیں ان سے کسی حد تک یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے تقویٰ کی حقیقت اور اس کے معنی کیا ہیں لیکن ضروری ہے کہ اسلامی اور مذہبی آثار میں اس کے محل استعمال پر ذرا اور نظر ڈال لی جائے تا کہ تقویٰ کے معنی پوری طرح واضح ہو جائیں۔ پہلے ہم ایک تمہید بیان کرتے ہیں۔

اگر انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کی زندگی کا کوئی اصول ہو اور وہ اس اصول کا پابند رہے تو چاہے اس اصول کا ماخذ دین و مذہب ہو یا کچھ اور اسے لازماً اپنے لئے ایک خاص روش متعین کرنی ہو گی تا کہ وہ جو کام بھی کرے وہ انتفراتفری اور بے اصولی کا شکار نہ ہو جائے۔ ایک متعین روش اختیار کرنے اور خاص مسلک اور عقیدہ اپنانے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ایک مخصوص سمت میں ایک خاص مقصد کی طرف بڑھتا رہے اور ان کاموں سے اجتناب کرے جو اس کی وقتی خواہشات سے مطابقت تو رکھتے ہیں لیکن اس کے اصول اور مقصد کے منافی ہیں۔

اس لئے وسیع تر معنی میں تقویٰ ہر اس فرد کی زندگی کا لازمہ ہے جو یہ چاہتا ہے کہ انسان بن کر رہے اور عقل کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرے اور کسی خاص اصول

کا پابند ہو۔

دینی لحاظ سے تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی زندگی میں دینی اصولوں کو اپنائے اور جو کام دین کے نقطہ نظر سے غلط اور گناہ ہیں اور ناپاک اور برے سمجھے گئے ہیں ان سے بچے اور ان کا مرتکب نہ ہو۔

اب بات یہ ہوئی کہ گناہوں کی آلودگی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا نام تقویٰ ہے۔ اس کی ممکنہ شکلیں دو ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ ممکن ہے کہ تقویٰ کی دو قسموں میں سے کوئی ایک اختیار کریں۔ پہلی قسم ہے ضعیف تقویٰ اور دوسری ہے قوی تقویٰ۔

پہلی قسم تو یہ ہے کہ ہم گناہوں کی آلودگی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں اور ان اسباب سے احتراز کریں جن کی وجہ سے گناہ سرزد ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو گناہ کے ماحول سے دور رکھیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص حفظان صحت کے اصولوں پر عمل کرے اور بیماری کے ماحول، جراثیم اور بیماری کی چھوت سے بچنے کی کوشش کرے۔ مثلاً وہاں نہ جائے جہاں ملیریا پھیلا ہوا ہو اور ان لوگوں سے دور رہے جو کسی متعدی بیماری میں مبتلا ہوں۔

دوسری قسم یہ ہے کہ انسان میں ایسی روحانی طاقت پیدا ہو جائے کہ وہ اخلاقی اور روحانی ہر لحاظ سے ہر قسم کے گناہوں سے مامون اور محفوظ ہو جائے۔ اگر بالفرض وہ کسی ایسے ماحول میں بھی پہنچ جائے جہاں معصیت کے سارے اسباب اور وسائل فراہم ہوں تب بھی اس کی روحانی طاقت اس کا دفاع کرے اور وہ گناہوں کی آلودگی سے محفوظ رہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے جسم میں کسی بیماری کے خلاف ایسی قوت مدافعت پیدا کرے کہ اس بیماری کے جراثیم اس پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔

ہمارے زمانے میں تقویٰ کا جو تصور عام طور پر پایا جاتا ہے وہ یہی پہلی قسم کا تقویٰ ہے۔ اگر کسی شخص کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ متقی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ محتاط ہے، تنہائی پسند ہے اور گناہ آلود ماحول سے دور رہتا ہے یہ تقویٰ کی وہ قسم ہے جسے

ہم ضعیف تقویٰ کا نام دیتے ہیں۔

شاید یہ تصور اس لئے ہوا ہے کہ ہم نے ابتدا ہی سے تقویٰ کا ترجمہ پرہیز گاری کیا ہے۔ رفتہ رفتہ گناہ سے پرہیز کا مطلب ان عوامل اور اس ماحول سے اجتناب ہو گیا جو گناہ پر آمادہ کرتے ہیں۔ آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ عوام کی نظر میں تقویٰ کے معنی گوشہ نشینی اور سوسائٹی سے دور رہنے کے ہو گئے۔ عام بول چال میں جب یہ لفظ کان میں پڑتا ہے تو علیحدگی پسندی، افسردگی اور پسپائی کی تصویر نگاہوں میں گھوم جاتی ہے۔

اس سے قبل ہم نے کہا تھا کہ فطری اور معقول زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان متعین اصولوں کا پابند ہو اور پابندی اصول کے لئے لازم ہے کہ آدمی ایسے کاموں سے اجتناب کرے جو گو اس کی خواہشات کے عین مطابق ہوں مگر اس نے اپنی زندگی کے جو اصول اپنائے ہیں، ان کے منافی ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی دنیا تج دے اور عزلت پسند گوشہ نشین ہو جائے۔ جیسا کہ ہم اس سلسلہ میں بعد میں دینی شواہد پیش کریں گے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ انسان خود اپنے اندر ایسی استعداد اور ایسی قوت مداخلت پیدا کرے جو گناہوں سے اس کی حفاظت کر سکے۔

اتفاق کی بات ہے کہ خود ہمارے ادب میں خواہ وہ نظم ہو یا نثر، ایسی مثالیں موجود ہیں جو تقویٰ کی پہلی صورت کی تصویر کشی کرتی ہیں جو درحقیقت ضعف و کمزوری کی نشانی ہے گلستان میں شیخ سعدی کہتے ہیں:۔

بدیدم عابدی در کوہساری
قناعت کرد از دنیا بہ غاری

میں نے پہاڑ پر ایک عابد کو دیکھا جس نے دنیا کو چھوڑ کر ایک غار میں پناہ لے رکھی تھی۔

چرا گفتم بہ شہر اندر نیائی
کہ بارے بند از دل برکشائی

میں نے کہا کہ تم شہر میں کیوں نہیں آتے ہو کہ ایک دفعہ تمہارے دل کی بند کلی بھی کھل جائے۔

بگفت آنجا پری رویان نغزند
چوگل بسیار شد پیلان بلغزند

کہنے لگا کہ وہاں حسینوں کا جھمگھٹ ہے جب کیچڑ بہت ہو تو ہاتھی بھی پھسل جاتے ہیں۔

یہ تقویٰ اور گناہوں سے محفوظ رہنے کی وہ صورت ہے جسے ایک طرح کی کمزوری کہا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی خاص بات نہیں کہ آدمی ایسے ماحول سے دور رہے جہاں پاؤں پھسلنے کا احتمال نہ ہوا اور وہ نہ پھسلے۔ لطف تو اس میں ہے کہ ایسے ماحول میں رہ کر جہاں بہتوں کے پاؤں پھسل جاتے ہوں خود کو محفوظ رکھا جائے۔

یا مثلاً بابا طاہر کہتے ہیں:۔

زدست دیدہ و دل ہر دو فریاد
ہر آنچہ دیدہ بیند دل کند یاد

میں آنکھ اور دل دونوں کے ہاتھوں مصیبت میں ہوں۔ آنکھ جو کچھ دیکھتی دل اسے یاد رکھتا ہے۔

بسازم خنجرے نیشش زفولاد
زنم بردیدہ تادل گر دو آزاد

میں ایسا خنجر بناؤنگا جس کی نوک فولاد کی ہوگی۔ اس سے آنکھیں نکال دونگا تا کہ دل آزاد ہو جائے۔

اس میں شک نہیں جہاں نظر جاتی ہے اس کے پیچھے پیچھے دل بھی وہیں پہنچتا ہے لیکن کیا اس کا علاج یہ ہے کہ آنکھ ہی نکال لی جائے؟ کیا یہ بہتر نہیں کہ دل میں ایسی طاقت اور قوت پیدا کی جائے کہ آنکھ اسے اپنے پیچھے نہ کھینچ سکے۔

اگر یہی طریقہ نکل آئے کہ دل کی آزادی اور رہائی کے لئے فولادی نوک کا خنجر بنانے کی ضرورت ہوتو پھر کانوں کے لئے بھی ایک اور خنجر بنانا پڑے گا کیونکہ کان جو کچھ سنتا ہے، دل وہ بھی یاد کر لیتا ہے۔ یہی حال چکھنے، چھونے اور سونگھنے کی قوتوں کا ہے۔ پھر انسان واقعی بغیر دم، بغیر سر اور بغیر پیٹ کے اس شیر کی طرح ہوجائے گا جس کی داستان مولوی نے اپنی مثنوی میں بیان کی ہے۔

## عملی مجبوری پیدا کرنا

بعض اخلاقی کتابوں میں کچھ ایسے بزرگوں کا تذکرہ ملتا ہے جو بسیار گوئی سے بچنے کے لئے اور اس خیال سے کہ کہیں کوئی لغو اور بری بات ان کے منہ سے نہ نکل جائے، منہ میں کنکریاں بھر لیتے تھے۔ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ اس قسم کے طرز عمل کو مثالی نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ گناہ سے بچنے کے لئے اس قسم کی مجبوری پیدا کرنا اور پھر گناہ سے بچنا کوئی کمال کی بات نہیں۔ اگر ہم اس قسم کی کوئی حرکت کر کے گناہ کے ارتکاب سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں تو گناہ سے تو ضرور بچ گئے مگر ہمارا نفس تو پھر بھی ویسے کا ویسا پاپی رہا، صرف وسائل کی عدم موجودگی کے سبب قدرے مضمحل ہوگیا۔ کمال تو یہ ہے کہ بغیر کسی عملی مجبوری کے اور اسباب و وسائل کی موجودگی کے باوجود معصیت سے پرہیز کیا جائے۔ اگر گناہوں سے اس طرح کے اجتناب کو کمال بھی تصور کیا جائے تب بھی یہ محض تقویٰ کی تمہید اور مشق ہے، خود تقویٰ نہیں۔ اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ تقویٰ کا ملکہ اور استعداد پیدا کرنے کے لئے ابتدائی مرحلہ کی سمجھی جاسکتی ہے۔ کیونکہ تقویٰ کا ملکہ بڑی مشق کے بعد پیدا ہوتا ہے لیکن پھر بھی خود تقویٰ ان باتوں سے مختلف چیز ہے۔ دراصل تقویٰ وہ بلند اور پاک روحانی طاقت ہے جو از خود انسان کی محافظت کرتی ہے اس لئے پوری کوشش اس بات کی کرنی چاہئے کہ تقویٰ کی حقیقی روح پیدا ہوجائے۔

## نہج البلاغہ میں تقویٰ کا بیان

مذہبی روایات خصوصاً نہج البلاغہ میں تقویٰ پر بار بار زور دیا گیا ہے۔ ہر جگہ تقویٰ اس مقدس ملکہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو ایسی روحانی طاقت پیدا کرتا ہے جس سے نفس امارہ اور سرکش نفسانی خواہشات خود بخود زیر ہو جاتی ہیں۔

خطبہ نمبر ۱۱۲ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں

تقویٰ اللہ کے دوستوں کو منہیات سے بچاتا اور ان کے دل میں خوف خدا پیدا کرتا ہے یہاں تک کہ وہ صائم النہار اور قائم اللیل بن جاتے ہیں۔

اس جملہ میں صراحت کے ساتھ تقویٰ اس روحانی طاقت کو کہا گیا ہے جو گناہوں سے محفوظ رکھتی ہے اور خوف خدا کو تقویٰ کا ایک ثمرہ بتلایا گیا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خود تقویٰ کے معنی خوف نہیں بلکہ تقویٰ کا ایک اثر یہ ہے کہ وہ دل میں خوف خدا پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا۔ **اتقوا اللہ** کے یہ معنی نہیں کہ اللہ سے ڈرو۔

نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۱۶ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں

میں جو کچھ کہتا ہوں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں اور اس کی صحت کا ضامن ہوں۔ اگر گزشتہ واقعات سے عبرت کسی شخص کے لئے آئندہ واقعات کا آئینہ بن سکے تو تقویٰ اسے مشتبہ کاموں کے ارتکاب سے روکے گا۔

اسی خطبہ میں آگے چل کر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

یاد رکھو! غلط روی کی مثال ایسے سرکش گھوڑوں کی سی ہے جو لگام کو توڑ کر سوار کو بے بس کر دیں اور بالآخر اسے آتش دوزخ میں گرا دیں۔ اور تقویٰ کی مثال ایسے گھوڑوں کی ہے جو رام ہوں، سوار کے اشارہ پر چلیں اور اسے باغ جنت میں پہنچا دیں۔

یہاں صراحت کے ساتھ اور ٹھیک ٹھیک تقویٰ کو ایسی روحانی حالت قرار دیا گیا ہے جسے ہم ضبط نفس کی مکمل کیفیت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

ضمناً ایک اور اہم حقیقت بھی بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ ہوا و ہوس کے تابع فرمان ہونے اور نفس سرکش کی باگ ڈھیلی چھوڑ دینے کا نتیجہ بے بسی، کمزوری اور شخصیت کے فقدان کی صورت میں نکلتا ہے۔ ایسی صورت میں آدمی کی حالت اس بے بس سوار کی سی ہو جاتی ہے جو سرکش گھوڑے پر سوار ہو اور جس کا نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پاؤں رکاب، میں اور جو اپنے ارادے سے کچھ نہ کر سکے۔ تقویٰ کا لازمی نتیجہ ضبط نفس، قوت ارادی میں اضافہ اور روحانی اور فطری شخصیت کی بلندی کی صورت میں نکلتا ہے۔ ایک متقی شخص کی حالت اس سوار کی سی ہوتی ہے جو سدھائے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو اور اسے اپنی مرضی سے بہ آسانی جدھر چاہے لے جائے۔

جو شخص ہوا و ہوس، شہرت طلبی، حرص و لالچ اور جاہ پسندی کے سرکش گھوڑے پر سوار ہو اور ان ہی باتوں کے درپے ہو، زمام اختیار اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے وہ ان ہی باتوں کا ہو کر رہ جاتا ہے اور دیوانہ وار ان کے پیچھے دوڑتا ہے۔ مصلحت بینی اور مآل اندیشی سے اسے کوئی واسطہ نہیں رہتا لیکن جو تقویٰ پر بھروسہ کرتا ہے اور اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہے اسے اپنے آپ پر پورا اختیار رہتا ہے اور وہ اپنے نفس کو جدھر چاہے موڑ سکتا اور حرکت دے سکتا ہے۔

نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۱۹۱ میں فرمایا گیا ہے۔

فان التقویٰ فی الیوم الحرز والجنۃ وفی غدالطریق الی الجنۃ۔

یعنی انسان کے لئے آج تقویٰ بمنزلہ ایک حصار اور ایک ڈھال کے ہے اور کل جنت کا راستہ ہوگا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے خطبات میں اس طرح کے کلمات بکثرت ہیں مثلاً آپ نے خطبہ نمبر ۱۵۵ میں تقویٰ کو بلند و مستحکم پناہ گاہ سے تعبیر کیا ہے۔

یہ چند مثالیں بطور نمونہ اس لئے بیان کی گئیں کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے تقویٰ کی

اصل حقیقت واضح ہوجائے اور یہ معلوم ہوجائے کہ واقعی متقی کہلانے کا مستحق کون ہے۔اس تقریر سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ دراصل تقویٰ اس روحانی حالت کا نام ہے جو روح انسانی کے لئے حصار اور دفاعی ہتھیار کا کام دیتی ہے آدمی کے نفس کو اس کا مطیع وفرمانبردار بناتی ہے۔خلاصہ یہ کہ تقویٰ ایک روحانی طاقت ہے۔

## تقویٰ اور آزادی

ہم کہہ چکے ہیں کہ حیوانی زندگی چھوڑ کر انسانی زندگی اختیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی متعین اصولوں کی پیروی کرے اور اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان اصولوں کے مطابق ڈھال لے اور ان سے بھال بھر سرِ مو کجی نہ کرے۔اگر وقتی خواہشات اسے اپنی حدود سے تجاوز کرنے پر ابھاریں تو وہ اس سے باز رہے اور باز رہنے کے لئے اسے کچھ چیزیں چھوڑنی پڑتی ہیں۔اسی کا نام تقویٰ ہے۔یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ تقویٰ بھی نماز روزہ کی طرح دینداری کے لوازم میں سے ہے۔تقویٰ تو انسانیت کا خاصہ ہے۔ آدمی اگر یہ چاہتا ہے کہ وہ حیوانوں کی سی جنگلی زندگی گزارنے کے بجائے انسانی زندگی گزارے تو وہ مجبور ہے کہ تقویٰ کی راہ اختیار کرے۔ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل معاشرتی تقویٰ اور سیاسی تقویٰ جیسی اصطلاحیں بھی استعمال ہونے لگی ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ دینی تقویٰ میں کچھ اور ہی بلندی تقدس اور استحکام ہے۔حقیقتاً تقویٰ کی بنیاد محض دین پر ہے اور دین ہی کی بنیاد پر مستحکم اور اصولی تقویٰ وجود میں آتا ہے ایمان باللہ کی مضبوط بنیاد کے علاوہ تقویٰ کے لئے کوئی اور مستحکم اور اصولی تقویٰ وجود میں آتا ہے۔ایمان باللہ کی مضبوط بنیاد کے علاوہ تقویٰ کے لئے کوئی اور مستحکم اور قابل اعتماد بنیاد موجود ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

> ''آیا وہ شخص بہتر ہے کہ جس نے اپنی زندگی کی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی پر رکھی یا وہ جس نے اپنی بنیاد کھوکھلی اور غیر مستحکم کگر پر اٹھائی اور وہ اسے لیکر سیدھی جہنم میں جا گری۔ایسے ظالم لوگوں

کو اللہ کبھی سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔ [1]

بہرحال تقویٰ چاہے اس کی بنیاد پر ہو یا نہ ہو، لازمہ انسانیت ہے اور اس کا لازمی نتیجہ کچھ چیزوں کا ترک کرنا اور ان سے اجتناب برتنا ہے۔

اس بات کے پیش نظر کہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے تقویٰ کو حصار، قلعہ اور اسی طرح کی چیزوں سے تشبیہہ دی ہے ممکن ہے بعض آزادی کے متوالے یہ تصور کریں کہ تقویٰ بھی آزادی کا دشمن اور آدمی کے پاؤں کی زنجیر ہے۔

## پابندی یا مدافعت

لہٰذا اب اس نکتہ کی بھی وضاحت ہوجانی چاہئے کہ تقویٰ پابندی نہیں بلکہ مدافعت ہے اور ان دونوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے لیکن اگر اسے پابندی بھی کہا جائے جب بھی یہ پابندی عین مدافعت ہے۔

چند مثالیں عرض کرتا ہوں۔ آدمی گھر تعمیر کرتا ہے، کمرے بناتا ہے، مضبوط دروازے اور کھڑکیاں لگاتا ہے، مکان کے اردگرد دیوار کھینچتا ہے۔ وہ سب کام کیوں کرتا ہے؟ اسی لئے تاکہ سردی کے موسم میں ٹھنڈک اور گرمی کے موسم میں تپش سے بچاؤ ہو سکے، تاکہ وہ اپنی ضرورت کی چیزوں کو اس طرح محفوظ رکھ سکے کہ وہ صرف اس کے ذاتی تصرف میں رہیں لیکن وہ اپنی زندگی کو ایک مخصوص چاردیواری میں محدود کر لیتا ہے۔ اب اس کو کیا کہا جائے گا؟ کیا گھر اور مکان کا وجود انسان پر پابندی اور اس کی آزادی کے منافی ہے یا اس کی مدافعت اور بچاؤ کا ایک طریقہ! یہی لباس کا ہے۔ آدمی اپنے پاؤں کو جوتے میں، سر کو ٹوپی میں اور بدن کو مختلف کپڑوں میں محصور کر لیتا ہے تاکہ اپنے جسم کو صاف ستھرا رکھ سکے اور گرمی و سردی سے بچ سکے۔ اب اس کو کیا کہیں گے؟ کیا یہ کہا جائے گا کہ اس نے اپنے جسم کو قید کر دیا؟ کیا اس پر اظہار افسوس کرنا چاہئے کہ پاؤں جوتے میں، سر ٹوپی میں اور بدن کپڑوں میں قید ہو گیا؟ کیا انہیں اس قید سے نجات دلانے کی آرزو کرنی چاہئے؟ کیا

---

[1] سورۂ توبہ: ۱۰۹

یہ کہا جا سکتا ہے کہ گھر اور مکان رکھنا کوئی پابندی ہے یا آزادی کے منافی ؟

تقویٰ بھی روح کے لئے ایسا ہی ہے جیسے زندگی بسر کرنے کے لئے گھر اور بدن کے لئے کپڑے۔ اتفاق دیکھئے کہ قرآن مجید میں تقویٰ کو لباس ہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورہ اعراف، آیت ۲۶ میں بدن کے چند کپڑوں کا نام لے کر اللہ فرماتا ہے۔

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ

یعنی تقویٰ جو روح کا لباس ہے سب سے بہتر ہے

پابندی تو اسے کہا جاتا ہے کہ انسان کو کسی صلاحیت اور کسی مسرت سے محروم کر دیا جائے لیکن وہ چیز جو انسان کا تحفظ کرتی ہو اور اسے خطرات سے بچاتی ہو، اسے پابندی کا نام کیسے دیا جا سکتا ہے؟ وہ تو مدافعت ہے۔ تقویٰ کو مدافعت کہنا، یہ تعبیر بھی امیر المومنین علیہ السلام کی ہے۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

الا فصونوها و تصونوا بها

یعنی تقویٰ کی حفاظت کرو اور اس کے ذریعے سے خود اپنا تحفظ کرو [1]

امیر المومنین علیہ السلام اس سے بھی بڑھ کر تقویٰ کی تعبیر فرماتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ اسے پابندی نہیں سمجھتے بلکہ تقوائے الٰہی کو آزادی کا ایک بڑا ذریعہ گردانتے ہیں۔ نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۲۲۸ میں آپ فرماتے ہیں:۔

> تقویٰ راست روی کی کنجی اور آخرت کی پونجی ہے۔ اس سے ہر قسم کی غلامی سے آزادی اور ہر مصیبت سے رستگاری ملتی ہے۔ تقویٰ کے ذریعے سے آدمی اپنا مقصد حاصل کرتا اور دشمن سے چھٹکارا پاتا ہے اور اس کے وسیلے سے اس کی خواہشیں پوری ہوتی ہیں۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ تقویٰ براہ راست انسان کو روحانی اور اخلاقی آزادی بخشتا

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۱

ہے اور ہوا و ہوس کی غلامی سے نجات دلاتا ہے۔ حرص و ہوس، حسد و شہوت اور غم و غصہ کی زنجیروں سے اس کی گردن کو چھڑاتا ہے۔

معاشرتی غلامی دراصل روحانی غلامی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جو شخص دولت اور عزت و مرتبہ کا غلام ہے وہ معاشرتی لحاظ سے بھی آزادانہ زندگی نہیں گزار سکتا لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ۔

عتق من کل ملکة

اس لئے تقویٰ نہ صرف یہ کہ کسی قسم کی قید یا پابندی نہیں بلکہ عین حریت اور آزادی ہے۔

## تقویٰ کی نگہبانی

ممکن ہے کہ تقویٰ کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ یہ نگہبان اور محافظ ہے، یہ بات بعض لوگوں کے لئے غرور و غفلت کا سبب بن جائے اور وہ یہ سمجھ بیٹھیں کہ متقی شخص معصوم عن الخطا ہے اور یہ سمجھ کر ان خطرات کی طرف دھیان نہ دیں جو تقویٰ کو متزلزل کرتے اور اس کی جڑ کاٹتے ہیں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ خواہ کتنے ہی اونچے درجے کا ہو اسے بجائے خود خطرہ لاحق رہتا ہے اس لئے آدمی کو چاہئے کہ جہاں وہ تقویٰ کی محافظت اور نگہبانی میں زندگی بسر کرے وہیں خود تقویٰ کی بھی حفاظت کرے۔ اس میں کوئی منطقی مغالطہ نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ جو چیز ہماری حفاظت کا ذریعہ ہو ہمارا بھی فرض ہو کہ خود اس چیز کی حفاظت کریں۔ ابھی ہم نے مثال دی ہے کہ کپڑے آدمی کا گرمی، سردی سے بچاؤ کرتے ہیں لیکن انسان کو بھی کپڑوں کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک ہی جملہ میں ان دونوں باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

الا فصونوها و تصونوا بها

یعنی تقویٰ کی حفاظت کرو اور اس کے ذریعہ سے خود اپنی حفاظت کرو۔

اس لئے اگر ہم سے یہ پوچھا جائے کہ تقویٰ ہمارا محافظ ہے یا خود ہمیں تقویٰ کی

حفاظت کرنی چاہئے۔تو ہم یہی کہیں گے کہ دونوں باتیں درست ہیں۔اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ اگر یہ پوچھا جائے کہ آیا تقویٰ سے مقام قرب الٰہی تک پہنچنے میں مدد لینی چاہئے یا اللہ سے حصول تقویٰ میں مدد کی التجا کرنی چاہئے تو ہم کہیں گے دونوں کام ضروری ہیں۔تقویٰ کے ذریعہ رضائے الٰہی کے حصول کی بھی کوشش کرنی چاہئے اور اللہ سے تقویٰ کی توفیق مزید کی دعا بھی کرنی چاہئے۔امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

> اے اللہ کے بندو! میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ تمہارے اوپر اللہ کا حق ہے اور اس کی وجہ سے تمہارا بھی اللہ پر حق بن جاتا ہے تم اللہ سے مدد مانگو کہ وہ تمہیں تقویٰ کی توفیق عطا کرے اور تقویٰ سے اللہ تک پہنچنے میں مدد حاصل کرو۔[1]

بہرحال چونکہ ایسے خطرات موجود ہیں جو تقویٰ کی بنیاد متزلزل کر سکتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ مذہبی تعلیمات میں گو تقویٰ کو بہت سے گناہوں سے حفاظت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے لیکن بعض دوسرے گناہوں کی نسبت جن میں کوشش بہت قوی ہے مزید احتیاط کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

مثلاً مذہبی تعلیمات میں یہ کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ چوری، شراب خوری یا ارتکاب قتل کے خطرے کے پیش نظر تنہائی حرام ہے۔مثلاً اس کی ممانعت نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص معاذ اللہ شراب پینا چاہتا ہے تو وہ رات کو گھر میں تنہا نہ رہے کیونکہ وہاں بظاہر کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی۔وہی ایمان اور تقویٰ اس کے محافظ ہوں گے۔اس کے برخلاف جنس مخالف کی کشش چونکہ زیادہ قوی ہے اور اس کی خواہش انسانی جبلت میں داخل ہے اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ اگر خلوت میں بے عفتی کا اندیشہ ہو تو وہ ممنوع ہے کیونکہ یہ ایسا خطرہ ہے جو

---

[1] ۱۔اوصیکم عباداللہ بتقوی اللہ فانہا حق اللہ علیکم والموجبۃ علی اللہ حقکم وان تستعینوا علیہا باللہ وتستعینوا بہا علی اللہ۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۱، انتشارات مشہور، ۱۳۸۰، قم

تقویٰ کے حصار کو توڑ سکتا ہے اور اس پر غالب آ سکتا ہے۔

حافظ کی ایک مشہور غزل کا ایک شعر ہے، میں جب بھی وہ شعر پڑھتا ہوں میری نظر میں یہی مضمون گھوم جاتا ہے۔ حافظ نے اپنی مخصوص شیریں زبان میں اسی روحانی حقیقت کو بیان کیا ہے۔

قوت بازوے پرہیز بخوباں مفروش
کہ دراین خیل حصارے بہ سوارے گریند

تقویٰ کی قوت کو حسینوں پر مت آزماؤ کیونکہ اس لشکر کا ایک ہی سوار ایک حصار کو توڑنے کے لئے کافی ہے۔

اس شعر میں تقویٰ کو حصار سے تشبیہ دی گئی ہے امیر المومنین علیہ السلام کے ملفوظات میں بھی بعینہ یہی تشبیہ آئی ہے۔ اس کے بعد حافظ نے حسینوں کے لشکر کی کشش اور طاقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ تقویٰ کا حصار حسینوں کے لشکر کے سامنے نہیں باندھا جا سکتا کیونکہ اس لشکر کا ہر سپاہی تنہا اس حصار کو توڑنے کی قدرت رکھتا ہے۔ کسی اجتماعی یورش کی بھی ضرورت نہیں۔

## تقویٰ کی قدر و قیمت اور اس کا اثر

ایک اور موضوع تقویٰ کی قدر و قیمت اور اس کے اثرات ہیں۔ تقویٰ کا جو اثر انسان کی اخروی زندگی پر مرتب ہوتا ہے اس سے قطع نظر انسان کی دنیاوی زندگی میں بھی تقویٰ کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی تعلیمات میں تقویٰ کا مطلب بار بار دہرایا ہے اور تقویٰ کی ترغیب دی ہے۔ آپ نے اس کے اثرات بھی بکثرت بیان فرمائے ہیں۔ کہیں کہیں عام انداز میں بڑے عجیب طریقے سے اس کے فوائد کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً آپ نے فرمایا۔

عتق من کل ملکة نجاة من کل هلکة

یعنی یہ آزادی ہے ہر قسم کی غلامی سے اور نجات ہے ہر قسم کی مصیبت سے۔

فرمایا:

دواء داء قلوبکم وشفاء مرض اجساد کم وصلاح فساد صدور کم وظهور دنس انفسکم [1]

تقویٰ تمہارے دلوں کی بیماری کے لئے دوا ہے اور تمہارے جسمانی امراض کے لئے شفا ہے۔ تمہارے سینہ کی خرابی کی اصلاح ہے اور تمہارے نفوس کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔

امیر المومنین امام علی علیہ السلام تقویٰ کو ہر تکلیف اور ہر مصیبت میں مفید قرار دیتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر ہم تقویٰ کا صرف منفی پہلو نہ دیکھیں اور تقویٰ کے معنی صرف منہیات سے اجتناب کے نہ سمجھیں بلکہ اسے اسی نقطہ نظر سے دیکھیں جو امام کا ہے تو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ تقویٰ انسانی زندگی کا ایک اہم ستون ہے چاہے یہ زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی۔ اگر تقویٰ نہ ہو تو زندگی کی بنیاد ہی ہل جائے۔

کسی چیز کی قدر و قیمت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم یہ دیکھیں کہ آیا کوئی دوسری چیز اس کی جگہ لے سکتی ہے یا نہیں۔ تقویٰ زندگی کی ایک ایسی حقیقت ہے کہ کوئی دوسری چیز اس کی جگہ نہیں لے سکتی نہ طاقت، نہ دولت، نہ قانون، نہ کچھ اور۔

اس دور کی آفات میں سے ایک آفت قوانین کی کثرت ہے۔ ہر روز نئے قوانین بنتے اور بدلتے رہتے ہیں۔ ایک قانون بنتا ہے، اس کے قواعد مرتب ہوتے ہیں، ضوابط تیار ہوتے ہیں، پھر معلوم ہوتا ہے کہ اصلی مقصد تو حاصل ہی نہیں ہوا۔ قانون میں ترمیم کی جاتی ہے۔ قواعد وضوابط میں اضافے ہوتے ہیں۔ پھر بھی مطلب پورا نہیں ہوتا۔ اس میں شک نہیں قانون بھی زندگی کی ایک حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نا قابل تغیر قوانین کے علاوہ بھی کچھ سول قوانین اور ضابطوں کا وضع کیا جانا ضروری ہے لیکن کیا صرف قوانین وضع کرنے اور ان میں اضافہ کرتے رہنے سے معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی

---

[1] خطبہ ۱۹۸

ہے؟ قانون کا کام حدود کا تعین ہے۔ ان حدود کا احترام لوگوں کا اپنا کام ہے جس کے لئے انہیں ایک اندرونی طاقت درکار ہوتی ہے اسی کا نام تقویٰ ہے۔ کہتے ہیں کہ قوانین کا احترام کیا جانا چاہئے یہ درست ہے لیکن جب تک تقویٰ کے اصول کا احترام نہ ہو قانون کا احترام کیسے ہوسکتا ہے؟

نمونہ کے طور پر عصر حاضر کے مسائل کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے موجودہ دور میں ہماری زندگی کافی مشکل ہوگئی ہے۔ جن مسائل کے متعلق لوگ اخبارات میں اپنی رائے کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور ان کے حل کی کوشش کرتے ہیں ان میں سے ایک مسئلہ طلاق کے روز افزوں واقعات ہیں۔ ایک اور مسئلہ انتخابات کی اصلاح ہے، ایک مسئلہ ٹریفک کا ہے۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ مجھے طلاق کے بڑھتے ہوئے واقعات کے اسباب کا پورا علم ہے اور میں ان اسباب کو بیان کرسکتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان اسباب میں گوناگوں معاشرتی عوامل کا دخل ہے۔

لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ طلاق کے واقعات کی افزائش کا اصل سبب تقویٰ کا فقدان ہے۔ اگر لوگوں میں تقویٰ کی کمی نہ ہوتی اور لوگ مادر پدر آزاد نہ ہوگئے ہوتے تو طلاق کے واقعات اتنے زیادہ نہ ہوتے۔ قدیم زمانے میں آج کے مقابلے میں زیادہ مشکلات اور نقائص تھے۔ آج کی خانگی زندگی میں مشکلات ہیں یقیناً پرانے زمانے میں اس سے زیادہ تھیں لیکن ساتھ ہی ایمان اور تقویٰ کا وجود ان مشکلات کے حل میں ممد ومعاون ثابت ہوتا تھا لیکن آج ہم تقویٰ کا عنصر کھو بیٹھے، زندگی کی تمام سہولتوں کے باوجود ہماری مشکلات میں اضافہ ہوگیا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ قانون کے زور اور عدلیہ اور انتظامیہ کی طاقت اور قواعد وضوابط میں ردوبدل کرکے طلاقوں کی تعداد میں کمی کردیں۔ مگر

ابن خیال است و محال است و جنوں

جہاں تک انتخابات کا تعلق ہے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کا اصرار ہے کہ انتخابات میں خرابی کی جڑ انتخابی قوانین کا نقص ہے جو نصف صدی پیشتر بنائے گئے تھے اور

وہ آج کے حالات سے مطابقت نہیں رکھتے۔ ہم انتخابات کے موجودہ قوانین کا دفاع کرنا نہیں چاہتے۔ ان میں یقیناً نقائص ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ قانون جیسا کچھ بھی ہے کیا لوگ اس پر عمل کرتے ہیں اور ان کے اس پر عمل کرنے کے باوجود خرابیاں پیدا ہوتی ہیں یا خرابی کا سبب یہ ہے کہ قانون پر عمل ہی نہیں ہوتا۔ درحقیقت کوئی شخص نہ اپنی ذمہ داری کا قائل ہے نہ دوسروں کے حقوق کا۔ موجودہ قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ کوئی شخص کسی ایسے شہر میں جائے جہاں کے باشندوں نے نہ کبھی اسے دیکھا ہو، نہ اسے جانتے ہوں اور نہ کبھی اس کا نام سنا ہو اور وہ اپنی طاقت کے بل پر یہ کہے کہ تم مانو یا نہ مانو میں تمہارا نمائندہ ہوں۔ اس قسم کے مفاسد کو مزید قانون بنا کر یا موجودہ قانون میں ردوبدل کر کے دور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا علاج یہی ہے کہ لوگوں میں بیداری، ایمان اور تقویٰ پیدا ہو۔

اب تیز رفتاری، اوورٹیکنگ اور ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کو لیجئے۔ کیا ان خرابیوں کا سبب قوانین کی کمی ہے یا کچھ اور؟

موجودہ دور میں ہم بے شمار معاشرتی مسائل میں گھرے ہوئے ہیں جن کے متعلق لوگوں میں واویلا مچا ہوا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ طلاق کے واقعات کیوں روز بروز بڑھ رہے ہیں؟ قتل اور چوری کے جرائم میں اضافہ کیوں ہو رہا ہے؟ ملاوٹ اور دھوکہ بازی کیوں عام ہے؟ فحاشی کیوں بڑھ رہی ہے؟

بلاخوف وتردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان خرابیوں کا ایک بڑا سبب ایمان کی کمزوری ہے۔

اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ لوگ خود ہمیشہ یہ سب سوال اٹھاتے ہیں، ان مسائل پر لکھتے ہیں لیکن چونکہ ایمان اور تقویٰ کے عناصر سے محروم ہیں اس لئے کوشش کرتے ہیں کہ ان مسائل کے اصل اسباب کی طرف لوگوں کو متوجہ نہ ہونے دیں۔ ان میں اخلاقی انتشار پیدا کرتے رہیں اور اس سے پیدا ہونے والی قوت مدافعت کی بیخ کنی کرتے رہیں۔ نعوذ باللہ اگر ایمان اور تقویٰ کی حقیقت چھپی رہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ کل کچھ لوگ یہ بھی پوچھنے

لگیں کہ ہم چوری کیوں نہ کریں، دھوکہ کیوں نہ دیں اور ملاوٹ کیوں نہ کریں وغیرہ وغیرہ۔

## تقویٰ اور صحت

امیر المومنین علیہ السلام نے تقویٰ کے بارے میں فرمایا ہے:۔

شفاء مرض اجسادکم

یعنی تقویٰ تمہاری جسمانی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔شاید آپ یہ سوال کریں کہ تقویٰ تو ایک روحانی معاملہ ہے۔اس کا صحت سے کیا تعلق؟ یہ صحیح ہے کہ تقویٰ کوئی پاؤڈر یا انجکشن نہیں ہے لیکن اگر تقویٰ نہ ہو تو شفا خانوں کا نظام بھی درست نہیں ہوگا۔ڈاکٹر بھی صحیح کام نہیں کریں گے۔نرسیں بھی اپنے فرائض کما حقہ انجام نہیں دیں گی۔دوا بھی صحیح نہیں ملے گی۔اگر تقویٰ نہ ہو تو آدمی اپنی صحت بھی برقرار نہیں رکھ سکتا۔متقی آدمی جو اپنی حدود کے اندر رہتا ہے اور صرف اپنے حق پر قانع اور راضی رہتا ہے اس کی روح زیادہ مطمئن رہتی ہے۔اس کے اعصاب میں تناؤ نہیں ہوتا اور اس کا دل ٹھیک کام کرتا ہے اسے یہ فکر نہیں رہتی کہ کسی چیز پر قبضہ کر لے کیا، چیز کھا جائے اور کسے نگل جائے۔اعصابی بیماریاں اس کے پھیپھڑوں میں زخم نہیں ڈالتیں اور اسے معدہ کے السر میں مبتلا نہیں کرتیں۔شہوت رانی کی زیادتی اسے کمزور نہیں کرتی۔عمر اس کی طویل ہوتی ہے۔ بدن کی سلامتی، روح کی سلامتی اور معاشرہ کی سلامتی، سب کا تقویٰ سے گہرا تعلق ہے۔

دو خاص نکتے اور باقی رہ گئے۔ایک تو یہ کہ تقویٰ روشن ضمیری اور بصیرت عطا کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا

یعنی تقویٰ کا ایک بڑا نتیجہ بصیرت اور بھلے برے کی پہچان ہے [1]

اس بات کو اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ تقویٰ مرحلہ عرفان میں سیر و سلوک کی راہ ہموار کرتا ہے۔

---

[1] سورۃ الفرقان:۲۹

تقویٰ کا ایک دوسرا اثر یہ ہے کہ تقویٰ مشکلات کو حل کرتا ہے۔قرآن کریم میں سورہ طلاق میں ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝

جوتقوائے الٰہی کی دولت سے مالا مال ہے اللہ اس کے لئے مشکلات میں سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جس کا اسے گمان بھی نہ ہوگا، جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ اس کے لئے کافی ہے بے شک اللہ اپنے کام کو پورا کرے رہتا ہے۔اللہ نے ہر چیز کا ایک حساب مقرر کر رکھا ہے۔[1]

چونکہ یہ دونوں نکتے مزید تفصیلات چاہتے ہیں اس لئے ان کا مفصل بیان ہم اگلے پر چھوڑتے ہیں

[1] سورۃ الطلاق:۱،۲

# آثار تقویٰ

## تقویٰ کے دو خاص اثر

پچھلے لکچر میں میں نے وعدہ کیا تھا کہ اس دفعہ تقویٰ کے ان دو خاص اثرات کے بارے میں گفتگو ہوگی جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ ان میں سے ایک روشن ضمیری اور بصیرت ہے جس کے متعلق سورہ انفال کی آیت ۲۹ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّكُمۡ فُرۡقَانًا

یعنی اگر تمہیں تقویٰ الٰہی حاصل ہوگا تو اللہ تمہارے لئے ایسی کسوٹی بہم پہنچادے گا جس سے تم برے بھلے کی تمیز کرسکو۔

تقویٰ کا دوسرا اثر مشکلات میں آسانی پیدا ہونا ہے۔ سورہ طلاق کی دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۙ﴿۲﴾

یعنی جسے تقوائے الٰہی حاصل ہوگا اللہ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کی کوئی سبیل پیدا کردے گا

اس سورہ میں دو آیات کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ يُسۡرًا ؕ﴿۵﴾

یعنی جسے تقوائے الٰہی حاصل ہوگا اللہ اس کے کاموں میں ایک طرح کی آسانی

پیدا کر دے گا۔

## تقویٰ اور روشن ضمیری

جہاں تک تقویٰ کے پہلے اثر کا تعلق ہے اس کے متعلق قرآن مجید میں یہی ایک آیت نہیں یہ تو اسلام میں ایک مسلمہ حقیقت ہے اور اس حقیقت کی طرف قرآن کی متعدد آیات میں اشارہ ہے۔ احادیث نبوی اور روایات ائمہ اطہار علیہم السلام میں بھی یہ مضمون بار بار دہرایا گیا ہے۔ جیسا کہ میں نے پچھلے جلسہ میں عرض کیا تھا یہی وہ مضمون ہے جس سے سلوک وعرفان کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ اہل عرفان نے تو آیتِ کریمہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ یہ قرآن شریف کی طویل ترین آیت ہے اس کا وہ حصہ جس میں تقویٰ کے اثر کی طرف اشارہ ہے یہ ہے۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى
بِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ

تقوائے الٰہی اختیار کرو، اللہ تمہیں تعلیم دے گا۔

کہتے ہیں کہ اس آیت میں تقویٰ کے بعد تعلیم کا جو ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کی صورت میں خاص فیضان الٰہی سے تمہیں تعلیم دی جائے گی۔

حدیث نبوی ہے

جاهدو انفسكم على شهواتكم تحل قلوبكم الحكمة۔

یعنی ہوا و ہوس کے خلاف جہاد کرو تا کہ حکمت تمہارے دلوں میں جاگزیں ہو جائے۔[1]

ایک اور حدیث نبوی ہے یہ تو مجھے یاد نہیں کہ کسی حدیث کی کتاب میں بعینہ یہ جملہ دیکھا ہو لیکن دیگر اسلامی کتابوں میں یہ حدیث خاصی مشہور ہے۔:۔

---

[1] مجموعہ درام ج ۲ ص ۱۲۱ مکتب الفقیہ، قم

من اخلص لله اربعین صباحاجرت ینابیع الحکمة من قلبه علی لسانه۔

جو اللہ کے لئے چالیس روز مخصوص کر دے گا حکمت کے چشمے اس کے دل سے پھوٹیں گے اور اس کی زبان پر جاری ہو جائیں گے۔[1]

یہی مضمون تغیر لفظی کے ساتھ اصول کافی، باب الاخلاص میں امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔

جو شخص خلوص دل سے چالیس روز تک اللہ پر ایمان رکھے گا یا آپ نے فرمایا: جو شخص چالیس روز تک اللہ کو خوب یاد کرے گا اللہ اسے دنیا میں زہد عطا کرے گا اور اسے ایسی بصیرت دے گا کہ اسے دنیا کی بیماریاں اور ان کی دوائیں نظر آنے لگیں گی۔ حکمت اس کے قلب میں جاگزیں کر دے گا جو اس کی زبان پر جاری ہو جائے گی۔

حافظ نے مندرجہ ذیل رباعی میں اس مشہور حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

شنیدم رہروی در سر زمینے
ہمی گفت ایں معما باقرینے
کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف
کہ در شیشہ بماندار بعینے

اردو ترجمہ

میں نے کسی مقام پر ایک مسافر کی بات سنی جو
اپنے دوست سے یہ معما کہہ رہا تھا کہ اے
صوفی شراب اس وقت صاف ہوتی ہے
جب شیشہ میں چالیس دن تک رہے

---

[1] میزان الحکمۃ ج ۳ باب الاخلاص، ص ۱۲۳ شمارہ، حدیث ۴۸۰۵

حضرت علامہ محمد حسین طباطبائی نے اپنی تفسیر المیزان میں اہل تسنن کی کتابوں سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

لولاتکثیر فی کلامکم وتمریج فی قلوبکم لرایتم ماأری ولسمعتم ما اسمع۔

اگر تم یاوہ گوئی میں مبتلا نہ ہوئے اور لغو خیالات تمہارے دل میں نہ گھسے پھر تو تم بھی وہی کچھ دیکھتے جو میں دیکھتا ہوں اور وہی کچھ سنتے جو میں سنتا ہوں۔

اس حدیث میں تمریج کا لفظ ہے جس کا مادہ مرج ہے اس کے معنی چمن زار اور چراگاہ کے ہیں جس میں ہر جانور داخل ہوسکتا ہے اور چر سکتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمہارے دل کھلی ہوئی چراگاہ کی مانند ہیں جس میں ہر قسم کے جانور داخل ہو سکتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

اگر شیاطین فرزندان آدم کے دلوں کے اردگرد نہ گھومتے پھرتے تو وہ بھی ملکوت سماوی کا مشاہدہ کر سکتے تھے۔

اس قسم کی روایات ہماری دینی کتابوں میں بہت ہیں جن میں تقویٰ اور گناہوں سے پرہیز کو براہ راست بصیرت اور روشن ضمیری کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے یا بالواسطہ طور پر یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہا گیا ہے کہ ہوا پرستی اور ترک تقویٰ کا نتیجہ روح کی تاریکی، دل کی تیرگی اور نور عقل کا خاتمہ ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔

من عشق شیئاً اعشی بصرہ وامرض قلبہ

کسی چیز کی حد سے بڑھی ہوئی محبت آنکھ کو اندھا اور دل کو بیمار کر دیتی ہے۔[1]

آپ کا ایک اور ارشاد ہے:۔

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۷

عجب المرءِ بنفسه احد حساد عقله

آدمی کی خودپسندی اس کی عقل کی دشمن ہے [1]

آپ ہی کا ایک اور قول ہے:

اکثر مصارع العقول تحت بروق المطامع

عموماً عقل وہاں ماری جاتی ہے جہاں لالچ کی بجلی چمکتی ہے [2]

اسلامی تعلیمات میں تو یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ اسلامی ادبیات میں بھی خواہ وہ عربی ہو یا فارسی اس حقیقت کی طرف جابجا اشارے ملتے ہیں ادبا اور فضلاء نے اس مضمون کو اقتباس کر کے اس سے خوب کام لیا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ مضمون اسلامی ادبیات کا ایک اہم ستون ہے۔ نمونہ کے طور پر ابوالفتح بستی کے مشہور قصیدہ نونیہ کا ایک شعر تمثیلاً پیش کرتا ہوں۔ قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

زیادة المرء فی دنیاه نقصان
وربحه غیر محض الخیر خسران

یہ قصیدہ ادبیات عربی کا شاہکار تصور ہوتا ہے۔ جس شعر سے ہمیں استشہاد مقصود ہے وہ یہ ہے۔

هما رضیعا لبان حکمة وتقی
وساکنا وطن مال وطغیان

حکمت اور تقویٰ دودھ شریک بھائی ہیں اور دولت و سرکشی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

سعدی نے بوستان میں سلطان محمود غزنوی اور ایاز کی محبت کا قصہ بیان کیا ہے اور اس میں محمود پر ملامت کی ہے۔ داستان کے آخر میں کہتے ہیں۔

---

[1] نہج البلاغہ حکمت ۲۱۲

[2] نہج البلاغہ حکمت ۲۱۹

حقیقت سرایی است آراستہ
حقیقت کی مثال ایک آراستہ مکان کی سی ہے

ہوا و ہوس گرد برخاستہ
مگر ہوا و ہوس نے گرداڑا رکھی ہے

نہ بینی کہ ہرجا کہ برخاست گرد
تم دیکھو گے جہاں گرد اڑ رہی ہو

نہ بیند نظر گرچہ بیناست مرد
اچھے بھلے بینا آدمی کو کچھ نظر نہیں آتا
گلستان میں کہتے ہیں۔
بدوزد شرہ دیدہ ہوشمند
لالچ ایسی بلا ہے کہ ہوشیار آدمی کی آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے

درآرد طمع مرغ و ماہی بہ بند
طمع مرغ وماہی کو جال میں پھنسا دیتی ہے
حافظ کہتے ہیں
جمال یار ندارد نقاب و پردہ ولی
جمال یار پردہ میں چھپا ہوا نہیں ہے
غبار رہ بنشان تانظرتوانی کرد
لیکن غبار راہ کو دور کرو تا کہ کچھ نظر آئے

اسی طرح کے مضامین عربی اور فارسی ادب میں بکثرت ملتے ہیں۔

دین اسلام اور اسلامی ثقافت دونوں کے لحاظ سے یہ مضمون ایک امر مسلم ہے۔ آیئے اب دیکھیں کہ تقویٰ اور بصیرت میں کیا منطقی تعلق ہے۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ ایک اخلاقی فضیلت ہے اور اس کا تعلق آدمی کے طرز عمل سے ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ انسان کی عقل وفکر اور اس کی قوت فیصلہ پر اثر انداز ہو؟ اور آدمی میں ایسا شعور پیدا ہو جائے جس کا حصول تقویٰ کے بغیر ممکن نہ ہو؟ مجھے احساس ہے کہ بہت سے لوگوں کو اس بات کی صحت پر یقین نہیں آئے گا۔اور وہ اسے محض تخیل کی پرواز اور شاعری سمجھیں گے۔

مجھے یاد ہے کہ چند سال پیشتر میں نے ایک مادہ پرست کی ایک تحریر پڑھی تھی جس میں اس خیال کا مذاق اڑایا گیا تھا۔اس نے لکھا تھا کہ تقویٰ بھی کوئی ریتی ہے جس سے گھس کر روح انسانی کو جلادی جاسکتی ہے؟

## تقویٰ اور عملی سوجھ بوجھ

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تقویٰ کے نتیجہ میں جو روشنی اور بھلے برے کی تمیز حاصل ہوتی ہے اصطلاحاً وہ حکمت عملی ہے، حکمت نظری نہیں۔

فلاسفہ کی اصطلاح میں عقل اور سوجھ بوجھ کی دو قسمیں ہیں، ایک عقل نظری دوسری عقل عملی۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کی قوت مفکرہ یا فکری استعداد کی دو قسمیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قوت مفکرہ سے دو قسم کے افکار پیدا ہوتے ہیں، ایک عملی دوسرے نظری۔

یہ اس کا موقع نہیں ہے کہ ہم اس بارے میں کسی فلسفیانہ بحث میں الجھیں اور عملی افکار اور نظری افکار کا فرق بیان کریں۔اس کام کے لئے تو علیحدہ سے کئی لکچروں کی ضرورت ہوگی۔ اجمالاً اس قدر عرض ہے کہ عقل نظری وہ ہے جس پر طبعیات، ریاضیات اور مابعد الطبعیات جیسے علوم کی بنیاد قائم ہے۔ان سب علوم میں قدر مشترک یہ ہے کہ ان میں عقل کو یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ واقعہ کیا ہے؟ فلاں بات اس طرح ہے یا نہیں؟ فلاں چیز فلاں اثر

یا خاصیت رکھتی ہے یا نہیں؟ فلاں خیال صحیح ہے یا نہیں۔ اس کے برخلاف عقل عملی ان علوم کی بنیاد ہے جن کے مطابق زندگی گزاری جاتی ہے اور جو اخلاقی اصول کی بنیاد ہیں۔ قدما کے بقول علم اخلاق علم تدبیر منزل (ہوم اکنامکس) اور علم سیاست مدن (پولٹیکل سائنس) اسی ضمن میں آتے ہیں۔ عقل عملی کی صورت میں یہ فیصلہ نہیں کیا جاتا کہ واقعہ کیا ہے اور آیا معاملہ کی صورت اس طرح ہے یا اس طرح بلکہ یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ میرا فرض کیا ہے اور مجھے یہ کام کرنا چاہئے یا نہیں، مجھے اس طرح کرنا چاہئے یا اس طرح۔ یہ عقل عملی ہی ہے جو خوب و بد، امر و نہی، چاہئے اور نہیں چاہیے اور اس طرح کے سوال اٹھاتی ہے۔ آدمی جب اپنے لئے طریقۂ زندگی کا انتخاب کرتا ہے تو اس کے کام کرنے کے طریقے اور فیصلہ کرنے کے طریقے کا تعلق اس کی عقل عملی ہی سے ہوتا ہے، عقل نظری سے اس کا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

یہ جو مذہبی تعلیمات میں کہا گیا ہے کہ تقویٰ عقل کو روشن کرتا ہے اور آدمی کی سوجھ بوجھ میں اضافہ کرتا ہے، اس کا تعلق جیسا کہ انداز بیان سے ظاہر ہے عقل عملی ہی سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کے نتیجہ میں وہ اپنی ضرورتوں کو بہتر طریقے سے پورا کرسکتا ہے اور بہتر طرز زندگی دریافت کرسکتا ہے۔ اس بات کا تعلق عقل نظری سے نہیں ہے یعنی مطلب یہ نہیں ہے کہ تقویٰ عقل نظری پر اثر انداز ہوتا ہے اور تقویٰ کے ذریعے سے آدمی ریاضیات یا طبیعیات کے مسائل بہتر طور پر سمجھنے لگتا ہے اور ان علوم کی مشکلات بہتر طریقے سے حل کرنے لگتا ہے۔ خود مابعد الطبیعیات کا بھی جہاں تک اس کے منطقی اور استدلالی پہلو کا تعلق ہے یہی حال ہے۔ معارف الٰہیہ کی ایک دوسری قسم میں البتہ تقویٰ اور پاکیزگی کا دخل ہے لیکن اس قسم کا بھی فلسفہ، استدلال، منطق اور نتیجہ اخذ کرنے کے لئے ترتیب مقدمات سے کوئی تعلق نہیں۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ تقویٰ سے سوجھ بوجھ بڑھتی ہے اور بصیرت اور روشن ضمیری میں اضافہ ہوتا ہے اس بات کا تعلق نظریاتی مسائل اور عقل نظری

سے نہیں اور بعض لوگوں کو جو اس بات کو ماننے میں مشکل محسوس ہوتی ہے، شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ تقویٰ سے نظریاتی مسائل کو سمجھنا بھی آسان ہوجاتا ہے۔

البتہ جہاں تک عقل عملی کا تعلق ہے تو یہ بالکل صحیح ہے کہ تقویٰ، پاکیزگی اور نفس امارہ کو زیر کرنے سے بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے اور روشن ضمیری کے حصول میں مدد ملتی ہے۔ اس بات کے لئے کسی استدلال کی ضرورت نہیں بلکہ تجربہ خود اس کا گواہ ہے۔

تاہم اس کے یہ معنی نہیں کہ عقل بمنزلہ چراغ کے ہے اور تقویٰ تیل کا کام دیتا ہے کہ تقویٰ کے بغیر عقل کام ہی نہ کرے، نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل گویا بجلی کا جنریٹر ہے جو بجلی کی ایک خاص مقدار پیدا کرتا ہے اور تقویٰ سے بجلی کی اضافی مقدار پیدا ہونے لگتی ہے۔ اس قسم کی کوئی بات نہیں۔ یہاں کچھ اور ہی صورت ہے۔ وضاحت کے لئے پہلے ایک تمہید بیان کرتا ہوں۔

## دشمنانِ عقل کے دشمن

امام علی علیہ السلام کے ملفوظات میں ہے:۔

اصدقائك ثلاثة واعدائك ثلاثة

یعنی تیرے تین دوست ہیں اور تین دشمن

فاصدقاوك : صديقك و صديق صديقك و عدو عدوك

یعنی تیرا ایک دوست تو وہ ہے جو براہ راست تیرا دوست ہے، دوسرا دوست وہ ہے جو تیرے دوست کا دوست ہے اور تیسرا دوست وہ ہے جو تیرے دشمن کا دشمن ہے۔

واعداوك عدوك وعدو صديقك وصديق عدوك۔

یعنی تیرے تین ہی دشمن ہیں، ایک تو وہ جو تیرا براہ راست دشمن

ہو، دوسرا وہ جو تیرے دوست کا دشمن ہو اور تیسرا وہ جو تیرے دشمن کا دوست ہو۔ [1]

اس کلام کو نقل کرنے سے میرا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ دوستوں کی ایک قسم دشمن کا دشمن بھی ہے۔ دشمن کے دشمن کو جو دوست کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دشمن کو کمزور کرتا ہے، اس کے ہاتھ باندھ دیتا ہے اور اس طرح آدمی کی مدد کرتا ہے۔ یہ بجائے خود ایک قاعدہ ہے کہ دشمن کا دشمن دوست کی طرح آدمی کی تقویت کا باعث ہوتا ہے۔

یہ قاعدہ جس طرح انسان پر لاگو ہوتا ہے، اسی طرح انسان کے حالات اور اس کی اخلاقی و روحانی طاقتوں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ انسان کی اندرونی طاقتیں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اور بعض صورتوں میں ایک طاقت دوسری پر منفی اثر ڈالتی ہے اور اسے بیکار کر دیتی ہے۔ یہ ایسا قاعدہ ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا اعتراف قدیم و جدید سب ہی عالموں نے کیا ہے اور یہ خود اپنی جگہ ایک وسیع مضمون ہے۔

## روشن ضمیری میں تقویٰ کے اثر کا راز

کچھ حالات اور کچھ قوتیں ایسی ہیں جو انسان کی عقل عملی یعنی اس کے طرز فکر اور طرز عمل پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ان سے متاثر ہو کر آدمی یہ طے کرتا ہے کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا، کیا صحیح ہے اور کیا غلط، کیا ضروری ہے اور کیا غیر ضروری، اسے کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔ اس قسم کی منفی قوتوں میں نفس پرستی، لالچ ضد، تعصب وغیرہ شامل ہیں کیونکہ انسان کے طرز عمل کا اس کے احساسات، اس کی خواہشات اور اس کے جذبات سے گہرا تعلق ہے۔ اگر یہ قوتیں حد اعتدال سے گزر جائیں اور انسان ان پر حاکم ہونے کی بجائے ان کا محکوم ہو جائے تو پھر وہ عقل اور ضمیر کی آواز کو دبا دیتی ہیں۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر آدمی ان کے شور و غل میں ضمیر کی آواز نہیں سن سکتا۔ عقل کے چراغ پر دھند چھا جاتی ہے۔ دیکھیے اس وقت ہم یہاں بیٹھے ہوئے کہہ بھی رہے ہیں، سن

---

[1] نہج البلاغہ حکمت ۲۹۵

بھی رہے ہیں اور دیکھ بھی رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ایک آدمی بات کر رہا ہے، دوسرے خاموشی سے سن رہے ہیں۔ چراغ روشن ہیں، فضا بھی صاف وشفاف ہے لیکن اگر اسی فضا میں بیک وقت سبھی بولنا اور بلند آواز سے کچھ پڑھنا شروع کر دیں تو ظاہر ہے کہ بولنے والے کو خود اپنی آواز بھی صاف سنائی نہیں دے گی۔ اگر فضا میں گرد وغبار کے بادل چھا جائیں تو کوئی کسی کو نہیں دیکھ سکے گا۔

بقول سعدی

حقیقت سرائی است آراستہ
ہوا و ہوس گرد برخاستہ
نہ بینی کہ ہر جا کہ برخاست گرد
نبیند نظر گرچہ بینا ست مرد

کسی اور کا ایک شعر ہے:۔

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد
صد حجاب از دل بسوی دیدہ شد

ہم ایک جوان طالب علم کی مثال لیتے ہیں۔ یہ نوجوان اپنے مدرسہ سے واپس آ کر سوچتا ہے کہ اپنے اسباق کی تیاری کرے اور اس مقصد کے لئے چند گھنٹے بیٹھ کر پڑھے لکھے، سوچے سمجھے کیونکہ ظاہر ہے بیکاری اور سستی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امتحان میں فیل ہو جائے گا، جاہل اور پسماندہ رہ جائے گا اور ہزار خرابیاں پیدا ہوں گی۔ یہ تو ہے اس کی عقل کی آواز، مگر یہ ممکن ہے کہ اس آواز کے مقابل میں سیر وتفریح کا شوق یا آنکھیں لڑانے اور عیاشی کی خواہش اپنا غل مچانا شروع کر دے اور اسے نچلا نہ بیٹھنے دے۔ ظاہر ہے اگر ان خواہشات کا شور زیادہ ہوگا تو وہ نوجوان اپنی عقل کی آواز نہیں سن سکے گا۔ فطری روشنی سے آنکھیں چرالے گا اور دل میں کہے گا، فی الحال تو عیش کرو، بعد میں جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ اس قسم کی ہوس بازی کی خواہش اگر شدید ہو تو آدمی کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ امام

جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ الھوی عدو العقل [1] ہوس بازی عقل کی دشمن ہے۔
تکبر اور خود پسندی کے بارے میں امام علی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

عجب المرء بنفسه احد حساد عقله

خود پسندی انسان کی عقل کی دشمن ہے [2]

لالچ کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے کہ عموماً عقل وہاں ماری جاتی ہے جہاں لالچ کی بجلی کوندتی ہے۔

بدوز دشرہ دیدہ ہوشمند
درآرد طمع مرغ و ماہی بہ بند

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك ا [3]

تمہارے بدترین دشمن وہ سرکش جذبات ہیں جو خود تمہارے سینہ میں موجزن ہیں

ان کے بدترین دشمن ہونے کی وجہ ظاہر ہے۔ یہ عقل کے دشمن ہیں جو انسان کی بہترین دوست ہے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

آدمی کی عقل اس کی بہترین دوست ہے۔ ہر دشمن کا مقابلہ عقل کی مدد سے کیا جا سکتا ہے لیکن جو دشمن عقل ہی سلب کر لے وہ خطرناک ترین دشمن ہے۔

صائب تبریزی کا ایک شعر ہے جو گویا مذکورہ بالا حدیث نبوی کا ترجمہ ہے

بستر راحت چہ اندازیم بہر خواب خوش
ماکہ چوں دل دشمنے داریم در پہلوی خویش

---

[1] ۱۔ المستدرک، ج ۱۱۔ حدیث ۱۲۷۷۱۔ موسسہ آل بیت، قم ۱۴۰۸ھ
[2] ۲۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۔ حدیث ۲۵۷۔ موسسہ آل بیت قم ۱۴۰۹ھ
[3] عوالی النلالی، ج ۴ ص ۱۱۸ حدیث ۱۸۷ دار الشہد اقم ۱۴۰۵ھ

ہم کس طرح چین کی نیند سو سکتے ہیں جبکہ ہمارے پہلو میں دل
جیسا دشمن موجود ہے

اس لئے اس مضمون پر پوری توجہ دینا ضروری ہے کہ انسان کے حالات اور اس کی اندرونی قوتیں ہمیشہ ایک دوسرے سے دست وگریبان ہیں اور ایک دوسرے کا اثر زائل کرتی رہتی ہیں۔ بالفاظ دیگر ایک دوسرے سے دشمنی اور حسد رکھتی ہیں۔ عقل کے ساتھ ہوا وہوس کی دشمنی بھی اسی ضمن میں آتی ہے۔

یہیں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کس طرح تقویٰ عقل کو تقویت دیتا ہے اور بصیرت اور روشن ضمیری میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ چونکہ وہ عقل کے دشمن کا دشمن ہے اس لئے عقل کا دوست ہے۔ ہم نے ابھی کہا تھا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے دوستوں کی تین قسمیں بتلائی ہیں جن میں سے ایک ہے **وعدو عدوك** جب تقویٰ کا ملکہ پیدا ہوجاتا ہے تو وہ ہوس کی جو عقل کی دشمن ہے، قابو میں کرلیتا ہے۔ پھر ہوس کی یہ مجال نہیں ہوتی کہ وہ عقل کو بیکار کرسکے یا اس کے راستے میں روڑے اٹکا سکے۔

مولانا روم نے کیا خوب کہا ہے:۔

چونکہ تقویٰ بست دو دست ہوا
حق گشاید ہر دو دست عقل را

جب تقویٰ ہوس کے ہاتھ باندھ دیتا ہے، حق تعالیٰ کے ہاتھ
کھول دیتا ہے

ان باتوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ تقویٰ واقعی انسان کے طرز فکر اور قوت فیصلہ پر اثر انداز ہوتا ہے لیکن اس کے اثر کی نوعیت یہ ہے کہ دشمن یعنی ہوس کے اثر کو زائل کرتا ہے اور عقل کے لئے آزادی سے اپنا کام کرنے کی راہ ہموار کرتا ہے۔ اس لئے امام علی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

عتق من کل ملکۃ [1]

فلاسفہ اس قسم کے عوامل کو جن کا اثر بالواسطہ ہوتا ہے فاعل بالعرض کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک عوامل کی دو قسمیں ہیں جن کا اثر براہ راست ہوا نہیں فاعل بالذات کہا جاتا ہے اور جن کا اثر بالواسطہ ہوا نہیں فاعل بالعرض۔ فاعل بالعرض کی صورت میں اصل سبب تو کچھ اور ہوتا ہے لیکن فاعل بالعرض راستے کی رکاوٹوں کو اس طرح دور کر دیتا ہے کہ اصل سبب کو کام کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس لئے آدمی بسا اوقات فاعل بالعرض کو ہی اصل سبب سمجھ لیتا ہے۔

اور کسی بات میں شک ہو تو ہوا س میں کوئی شک نہیں کہ غصہ، شہوت رانی، لالچ، حسد، ضد، تعصب خود پسندی اور ایسے ہی دوسرے عیوب آدمی کو زندگی میں اندھا اور بہرا بنا دیتے ہیں۔ ہوس کے سامنے آدمی اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے۔ اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ آدمی کو عموماً اپنے عیب نظر نہیں آتے۔ وہ دوسروں ہی کے عیب دیکھتا ہے چاہے وہ خود دوسروں سے زیادہ عیوب میں مبتلا ہو۔ اپنے عیب نظر نہ آنے کا سبب خود پسندی اور غرور کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ کیا اس میں بھی کوئی شک ہے کہ اہل تقویٰ اپنے اخلاقی مجاہدات کے سبب خود پسندی، لالچ اور دوسرے نفسانی رذائل پر غالب آجاتے ہیں۔

انہیں اپنے عیوب کا بہتر احساس اور ادراک ہوتا ہے۔ کیا انسان کے لئے اس سے بہتر اور مفید تر بھی کوئی علم و شعور ہو سکتا ہے کہ اسے اپنی ذات کا علم ہو۔ وہ اپنے عیبوں سے واقف ہو اور اسے یہ معلوم ہو کہ وہ اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔؟

اگر خدا ہمیں یہ توفیق دے کہ ہم تقویٰ کی طاقت سے اپنے نفس امارہ کو زیر کر سکیں تو اس وقت ہم دیکھیں گے کہ کس طرح ہماری آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ سعادت ابدی حاصل کرنے کا راستہ کیسا صاف نظر آنے لگتا ہے اور ہماری عقل کتنی اچھی طرح ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ اس وقت ہم سمجھیں گے کہ یہ مسائل کچھ ایسے پیچیدہ اور دلائل کے محتاج نہیں

---

[1] نہج البلاغ خطبہ ۲۳۰

تھے ہر بات واضح اور روشن تھی۔صرف ہواوہوس کے شور وشغب میں ہم عقل کی بات پر کان نہیں دھر رہے تھے۔

## کیا ہوش اور عقل میں کچھ فرق ہے؟

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگ علمی مسائل کو سمجھنے میں بہت ہوشیار اور دوسروں سے بہت آگے ہوتے ہیں لیکن یہی لوگ زندگی کے مسائل کو سمجھنے اور زندگی میں اپنی راہ متعین کرنے کے معاملہ میں پھسڈی ثابت ہوتے ہیں۔ یہاں ان کی سمجھ کام نہیں کرتی۔بہت سے لوگ جو علمی لحاظ سے ان سے بہت پیچھے ہیں۔اپنی زندگی کی مصلحتوں کو ان سے بہتر سمجھتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان میں دو چیزیں ہیں ایک ہوش، دوسری عقل، بعض لوگ زیادہ ہوشیار ہیں اور بعض دوسرے زیادہ عقلمند؟

حقیقت یہ ہے ہم میں دو ایسی قوتیں نہیں جن میں سے ایک کا نام عقل ہو اور دوسری کا ہوش۔رہی یہ بات کہ کچھ ہوشمند لوگ عملی مسائل میں پریشان ہوجاتے ہیں اور ان کی سمجھ کام نہیں کرتی،اس کی وجہ وہی ہے کہ دشمنان عقل کی شورش سے ان کی عقل ناکارہ ہوجاتی ہے اور وہ عقل کی بات پر کان نہیں دھرتے،دراصل اس قسم کے لوگوں میں یہ شورش زیادہ ہوتی ہے مگر یہ بات نہیں کہ ان کی عقل میں کچھ کمی ہو۔

میں نے شروع میں اشارتاً کہا تھا کہ جہاں تک عقل نظری کا تعلق ہے تقویٰ روح کی پاکیزگی اور مجاہدہ اخلاقی وغیرہ کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا حتیٰ کہ فلسفہ الٰہی کا بھی ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اس کے برخلاف معرفت الٰہی کے حصول میں تقویٰ اور مجاہدہ کی تاثیر مسلم ہے۔یہ مضمون مستقل بحث کا محتاج ہے۔میں نے مختصر طور پر صرف اجمالی اشارے کئے ہیں۔

زمانہ قدیم میں بہت سے عقلاء کا یہ خیال رہا ہے کہ انسان میں عقل وادراک کی دوسری قوتوں کے علاوہ ایک اور پراسرار حس موجود ہے جس کو حس الہام گیری کہا جا سکتا ہے۔عصر حاضر کی تحقیق بھی اس نظریہ کی تائید کرتی ہے۔اس کے مطابق انسان میں ایک

ایسی حقیقی حس موجود ہے جو دوسرے تمام حواس اور قوتوں سے ممتاز ہے۔ یہ حس تمام افراد میں کمی بیشی اور قوت وضعف کے فرق کے ساتھ موجود ہے۔ تربیت اور مشق کے ذریعہ سے اس حس کو بڑھایا بھی جا سکتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو اس حس کی پرورش نشوونما اور تقویت کا سبب بنتی ہے۔

جو باتیں اس حس کی نشونما اور تقویت کا سبب بنتی ہیں وہ ہیں تقویٰ، طہارت، اخلاقی مجاہد اور نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد۔ دینی تعلیمات کے مطابق بھی یہ ایک مسلمہ اور نا قابل انکار حقیقت ہے۔

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ اس کے ذریعے ان کی سلامتی کے راستوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور انہیں سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ [1]

میں اس ضمن میں یہاں صرف چند جملے نہج البلاغہ سے نقل کرتا ہوں۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام خطبہ ۲۲۰ میں فرماتے ہیں۔

اس نے اپنی عقل کو زندہ کر لیا اور اپنے نفس امارہ کو کچل دیا۔ اس مجاہد کا اثر اس کے بدن پر بھی نظر آنے لگا۔ اس کی موٹی ہڈیاں نازک ہو گئیں اور اس کے وجود میں ایک لطافت پیدا ہو گئی۔ اس وقت ایک تیز روشنی چمکی جس نے اس کی راہ میں روشنی کر دی چنانچہ وہ صحیح راستہ پر چل پڑا اور سلامتی کے دروازہ تک پہنچ گیا۔

---

[1] سورہ مائدہ۔ آیت ۱۶

## تقویٰ اور پاکیزگی

تقویٰ اور طہارت ایک اور سمت سے بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ سمت احساسات وجذبات کی ہے۔تقویٰ سے احساسات زیادہ نازک اور لطیف ہوجاتے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ صاحب تقویٰ جو اپنے آپ کو گندے اور برے کاموں سے باز رکھتا ہے اور ایسی برائیوں سے بچتا ہے جیسے ریاکاری،خوشامد اور کاسہ لیسی، اپنے ضمیر کو پاک وصاف رکھتا اور اپنی عزت نفس کو برقرار رکھتا ہے اور اس کی توجہ مادی امور سے زیادہ روحانی امور کی طرف مبذول رہتی ہے،اس کے احساسات وجذبات اس شخص کے سے ہوں جو گناہوں اور گندے کاموں میں غرق اور عیش پرستی میں منہمک ہو۔اس میں کوئی شک نہیں کہ صاحب تقویٰ کے جذبات زیادہ بلند،زیادہ نازک اور زیادہ پاکیزہ ہوں گے۔وہ روحانی حسن سے زیادہ متاثر ہوگا۔وہ دنیا کو کسی اور ہی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اسے کچھ اور ہی جلوہ نظر آتا ہے۔ جو عقلی اور ذہنی حسن و جمال دنیا میں موجود ہے وہ اپنے لطیف احساس کی بدولت اسے بہتر طور پر محسوس کرتا ہے۔

کبھی کبھی یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ اب کیوں پہلے جیسے شعراء پیدا نہیں ہوتے؟ حالانکہ ہر چیز نے ترقی کی ہے علم میں پیشرفت اور خیالات میں بالیدگی آئی ہے اور ہر لحاظ سے دنیا کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے۔

معاصر شعراء مانیں یا نہ مانیں میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اچھے شعر کے لئے فطری ذوق اور تخلیقی قوت کے علاوہ ضمیر کی شگفتگی،لطافت اور اثر پذیری بھی ضروری ہے اور یہ شگفتگی اور لطافت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب شاعر میں تقویٰ اور روحانیت بھی ہو۔ وہ غیظ و غضب اور شہوت کا بندہ نہ ہو۔اس کے مزاج میں آزادی اور وارستگی ہو۔

یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگ یہ کہیں کہ گزشتہ زمانے کے شعراء تو خود اپنی گناہوں میں آلودگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ ہے تو یہ عجیب معما لیکن میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ کوئی بداعمال شخص ذہنی اور روحانی لطافتوں کا صحیح ادراک نہیں کرسکتا اور نہ ایسے شگفتہ

ودل پسند مضامین تخلیق کرسکتا ہے جو بعض شعراء کے کلام میں دیکھنے میں آتے ہیں۔

## تقویٰ اور مشکلات پر قابو پانے کی طاقت

تقویٰ کے ایک اور اثر کے بارے میں قرآن کریم میں ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا

یعنی جسے تقویٰ الٰہی حاصل ہوگا اللہ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کردے گا۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا

جسے تقوائے الٰہی حاصل ہوگا اللہ اس کے کاموں میں ایک طرح کی آسانی پیدا کردے گا۔

امیر المومنین علیہ السلام خطبہ ۱۹۸ میں فرماتے ہیں۔

جس نے تقویٰ اختیار کیا اس پر مصیبتیں آتی ہیں لیکن ٹل جاتی ہیں اور تلخیاں شیریں ہوجاتی ہیں، موجیں چڑھ کر آتی ہیں لیکن پرے ہٹ جاتی ہیں۔ صعوبتیں برستی ہیں لیکن چھٹ جاتی ہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ تو ایک روحانی اور اخلاقی معاملہ ہے اس کا مصائب ومشکلات پر قابو پانے سے کیا تعلق!۔

## مشکلات کی دو قسمیں

یہاں ایک تمہید عرض کرتا ہوں، مصائب وشدائد جو انسان کو پیش آتے ہیں اور جن مشکلات میں انسان گرفتار ہوتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں:۔

ایک تو وہ مشکلات ہیں جن میں انسان کے اپنے ارادہ اور اختیار کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً آدمی ہوائی جہاز پر سوار ہو اور جہاز خراب ہوجائے یا کشتی پر سوار ہو اور کشتی طوفان میں گھر جائے اور ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہوجائے۔ اس قسم کی مصیبت ہر شخص پر آسکتی ہے اس

کا پہلے سے کوئی علم نہیں ہوتا اور نہ انسان کے اپنے ارادہ واختیار کو اس میں کوئی دخل ہے۔

مصائب کی دوسری قسم وہ ہے جس میں انسان کے اپنے ارادہ کو دخل ہے اور وہ چاہے تو ان مصائب میں گرفتار ہو اور نہ چاہے تو نہ ہو اور اگر ان مصائب میں مبتلا بھی ہو جائے تو وہ اپنے ارادہ سے ان سے نکل سکتا ہے۔ یہ اخلاقی واجتماعی مصائب ہیں۔

اب یہاں دو سوال پیش آتے ہیں۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ پہلی قسم کے مصائب کی صورت میں تقویٰ کا کیا اثر ہوتا ہے اور دوسرا یہی سوال دوسری قسم کے مصائب کے متعلق ہے۔

پہلی قسم کے متعلق تو میں اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتا کہ قرآنی آیات کا اطلاق اس قسم کے مصائب پر بھی ہے یا نہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ اس طرح کا کوئی روحانی آئین اور اس قسم کی ضمانت الٰہی موجود ہو۔ اس کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسی قبولیت دعا کی۔ البتہ نہج البلاغہ میں ایک فقرہ ہے جس کا مطلب یہ لیا جا سکتا ہے کہ قرآنی آیات میں مصائب وشدائد سے نجات سے مراد دوسری قسم کے مصائب اور تکالیف ہی ہیں۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام خطبہ نمبر ۱۸۳ میں فرماتے ہیں

واعلموا انه من يتق الله يجعل له مخرجا من الفتن ونورا من الظلم۔

یہ سمجھ لو کہ جو شخص تقوائے الٰہی اختیار کرتا ہے اللہ اسے فتنوں سے نکلنے اور تاریکیوں سے روشنی میں آنے کا کوئی نہ کوئی راستہ سجھا دیتا ہے۔

پہلی قسم کی مشکلات بہت کم پیش آتی ہیں۔ زیادہ تر مشکلات جو انسان کو پیش آتی ہیں اور اس کی زندگی کو تلخ اور مکدر کر دیتی ہیں اور دنیا وآخرت کی ہر سعادت سے اسے محروم کر دیتی ہیں وہ اخلاقی اور معاشرتی فتنے اور مصیبتیں ہی ہوتی ہیں۔

اس بات کے پیش نظر کہ خود انسان ہی اپنی زیادہ تر مشکلات کا ذمہ دار ہوتا ہے یہ

کہا جا سکتا ہے کہ آدمی خود ہی اپنا سب سے بڑا دشمن ہے۔

اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك

ہر شخص اپنی تقدیر کا فیصلہ خود کرتا ہے لیکن عموماً اس کا رویہ اس کے ساتھ معاندانہ ہی ہوتا ہے۔

دشمن بہ دشمن آن نہ پسندد کہ بے خرد
بانفس خود کندبہ مراد ہوای خویش

کوئی دشمن بھی دشمن کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتا جو بے عقل خود اپنے ساتھ ہوا و ہوس کے چکر میں پڑ کر کرتا ہے۔

ہماری زیادہ تر مشکلات باہر سے نہیں آتیں۔ خود ہم اپنے ہی ہاتھوں اپنے لئے مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ میں نے خود اپنی زندگی میں اور دوسروں کی زندگی میں بھی جن کو میں نے قریب سے دیکھا ہے یہی تجربہ کیا ہے میں نے دیکھا کہ واقعی بات یہی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تقویٰ کا ہتھیار کتنا موثر ہے۔ تقویٰ انسان کو فتنوں سے دور رکھتا ہے اور بالفرض اگر کوئی کسی مشکل میں گرفتار بھی ہو جائے تو یہ اسے اس مشکل سے نجات دلاتا ہے۔ قرآن کریم کے سورہ اعراف آیت ۲۰۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ۚ﴿۲۰۱﴾

اہل تقویٰ کا تو یہ حال ہے کہ اگر شیطان کے اثر سے کبھی کوئی برا خیال انہیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقویٰ کے پہلے اثر یعنی روشن ضمیری اور ازدیاد بصیرت کے ساتھ ساتھ دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کو ان مشکلات اور تکالیف سے نجات مل جاتی ہے جو گناہوں کی تاریکی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ معاصی اور ہوا و ہوس کے سیاہ بادل چھٹ

جاتے ہیں اور تقویٰ کی روشنی میں راستہ صاف دکھائی دینے لگتا ہے تا کہ آدمی گڑھوں اور کھائیوں سے بچ کر چلے۔ اگر اتفاق سے کہیں پھنس بھی جائے تو تقویٰ کی روشنی میں باہر نکلنے کا راستہ مل جاتا ہے۔

علاوہ ازیں تقویٰ اور احتیاط کے سبب آدمی اپنی اندرونی طاقتوں کے اس ذخیرہ کو جو خود اس کے اندر موجود ہے، لغو و حرام کاموں اور لہو و لعب میں ضائع کرنے کی بجائے اسے محفوظ رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی جو باہمت ہو اپنی مرضی کا مالک ہو اور جس کی شخصیت مکمل ہو، بہتر فیصلے کر سکتا ہے اور اپنی نجات کی راہ تلاش کر سکتا ہے۔ جس طرح روشنی نجات کا ذریعہ ہے اسی طرح ہمت و ارادہ بھی ایسا وسیلہ ہے جو خداوند تعالیٰ نے آدمی کو دیا ہے۔

سورہ یوسف کے اواخر میں ایک آیت ہے جسے اس عجیب اور ولولہ انگیز داستان کا اخلاقی نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ تو کم و بیش سب ہی نے سنا ہے۔ جب یہ قصہ اختتام کو پہنچنے والا ہوتا ہے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر بن جاتے ہیں اور برادران یوسف علیہ السلام ایک قحط کے سبب غلہ حاصل کرنے کے لئے کنعان سے مصر آتے ہیں وہ یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچانتے مگر یوسف علیہ السلام انہیں پہچان لیتے ہیں اور ایک بہانہ سے اپنے سگے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لیتے ہیں۔ اس وقت برادران یوسف علیہ السلام دوبارہ آتے ہیں اور بڑی عاجزی سے یوسف علیہ السلام سے غلہ کی درخواست کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس تذلل و زاری کا نقشہ اس آیت سے کھینچا ہے۔

> اے سردار! ہم اور ہمارے اہل و عیال سخت مصیبت میں مبتلا ہیں اور ہم کچھ حقیری سی پونجی لے کر آئے ہیں۔ آپ ہمیں پورا غلہ عنایت فرمائیں اور ہم کو خیرات دیں۔ اللہ خیرات دینے والوں کو جزائے خیر دیتا ہے۔ [1]

اب تک یوسف علیہ السلام نے اپنا تعارف نہیں کرایا تھا۔ اب انہوں

---

[1] سورۂ یوسف: ۸۸

نے چاہا کہ اپنا تعارف کرا دیں۔ تب انہوں نے کہا: تمہیں یاد ہے کہ نادانی و جہالت کی وجہ سے تم نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ [1]

اس پر وہ چونکے اور کہنے لگے:۔

ہائیں کیا تم ہی یوسف ہو؟ [2]

فرمایا: ہاں میں یوسف علیہ السلام ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اور اللہ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۝۹۰

اگر کوئی تقویٰ اور صبر سے کام لے تو ایسے لوگوں کا اجر اللہ کے یہاں ضائع نہیں جاتا۔ یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ نتیجہ ہے تقویٰ، پاکبازی کا اور اپنے نفس کو قابو میں رکھنے کا۔ میں غلام بنا ہر کس و ناکس کا محکوم ہوا مگر میں نے تقویٰ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مصری کی سربرآوردہ ترین اور حسین ترین عورت نے مجھ جیسے حقیر فقیر سے اپنی خواہش پوری کرنے کی درخواست کی لیکن میں اپنے تقویٰ پر قائم رہا۔ میں نے کہا: بارالٰہا! مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے۔ بہ نسبت اس کام کے جو یہ لوگ مجھ سے چاہتے ہیں۔ اس دن کے تقویٰ نے مجھے آج عزیز مصر بنا دیا۔ تقویٰ اور صبر، پاکبازی و پاکدامنی کبھی اس دنیا میں رائیگاں نہیں جاتی۔ تقویٰ آدمی کو قعر مذلت سے نکال کر اوج عزت پر پہنچاتا ہے۔ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۝۹۰ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے قصہ یوسف علیہ السلام کے اخلاقی نتیجہ کا خلاصہ اس ایک آیت میں بیان کر دیا ہے کہ بالآخر تقویٰ ہی کامیاب ہوتا ہے۔ تقویٰ آدمی کو بہت سے مصائب

---

[1] سورۂ یوسف: ۸۹

[2] سورۂ یوسف: ۹۰

اور مشکلات سے نجات دلاتا ہے اور اوج عزت پر پہنچا دیتا ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا

جو صاحبان تقوی ہر حال میں اپنا دامن بچائے رکھتے ہیں ان
کے لئے ناکامی اور بے بسی کا کوئی وجود ہی نہیں۔

جب آدمی حضرت امام حسین علیہ السلام کے وہ اقوال اور خطبات دیکھتا ہے جو آپ نے اپنے خاندان محترم کے سامنے دیئے تو انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ کس اعتماد و یقین کے ساتھ آپ انہیں اطمینان دلا رہے تھے۔ اللہ اللہ! کیا جذبہ اور کیا ایمان تھا۔ خدایا! یہ یقین انہیں کہاں سے حاصل ہوا تھا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ جب وہ دوسری بار اپنے اہل بیتؑ سے رخصت ہونے لگے تو فرمایا: استعدوا للبلاء واعلموا ان اللہ حافظکم وحامیکم سختی برداشت کرنے کے لئے تیار ہو اور سمجھ لو کہ اللہ تمہارا حافظ و مددگار ہے۔ وسینجیکم من شر الاعداء ویجعل عاقبۃ امرکم الی خیر۔ وہ تم کو دشمنوں کے شر سے نجات دے گا اور بالآخر تمہارا انجام بخیر ہو گا۔ ویعذب اعادیکم بانواع البلاء ویعوضکم اللہ عن ھذہ البلیۃ بانواع النعم والکرامۃ۔ تمہارے دشمنوں کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرے گا اور تم کو اس تکلیف کے بدلے طرح طرح کی نعمتوں سے نوازے گا۔ فلا تشکوا ولا تقولوا بما لسنتکم ما ینقص من قدرکم۔ لہٰذا شکایت مت کرو اور کوئی ایسی بات زبان پر مت لاؤ جو تمہارے شایان شان نہ ہو۔

امام حسین علیہ السلام کو جو اطمینان تھا کہ آخر میں وہی کامیاب ہوں گے اور جس کی تلقین وہ اپنے اہل خاندان کا کر رہے تھے اس کا سرچشمہ یہی آیت تھی۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا

ان کے پاس قرآن کی ضمانت موجود تھی اور انہیں اسی قسم کا اطمینان اور یقین حاصل تھا۔ جیسا یوسف علیہ السلام صدیق کو حاصل تھا۔ جب ان کے تقویٰ کا نتیجہ برآمد ہوا تو

حضرت یوسف علیہ السلام نے جوش مسرت سے کہا تھا۔

اِنَّهٗ مَنۡ يَّتَّقِ وَيَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ﴿۹۰﴾

لیکن امام حسین علیہ السلام کی نظر داستان تمام ہونے سے پہلے ہی نتیجہ پر تھی۔

امام حسین علیہ السلام کے نپے تلے جملے ان کے اہل خاندان کے قلب پر تیر کی طرح اپنے نشان پر بیٹھے۔ انہوں نے سختی اور قید کو برداشت کیا لیکن تقویٰ اور صبر کی بدولت انجام وہی ہوا جس کی پیشن گوئی امام حسین علیہ السلام نے کی تھی اور جس کی ضمانت خداوند کریم نے قرآن میں دی تھی۔ چند ہی روز بعد ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے امام حسین علیہ السلام کا قول اپنے الفاظ میں بڑے اطمینان سے دہرایا۔ یزید ین معاویہ کو مخاطب کر کے کہا۔

تو جو چاہے تدبیر کر اور جیسی چاہے کوشش کر کے دیکھ لے تو ہمارا نام نہیں مٹا سکتا اور نہ ہماری مقبولیت اور احترام میں کمی کر سکتا ہے، نہ ہی تو اس وحی کو ختم کر سکتا ہے جو ہمارے خاندان میں زندہ ہے۔ تیرے لئے اس دنیا میں بجز ننگ و عار کچھ باقی نہ رہے گا[1]

[1] فکذ کیدك واسع سعیك وناصب جهدك فوالله لا تمحو ذکرنا ولا تمیت وحینا ولا تدرك امدنا ولا ترحض غنك عارها۔ (بحا رالانوار ج ۴۵ موسہ الوفا، بیروت لبنان ۱۴۰۴ھ